مخدراتِ

تیموریہ حصہ اول

جسمیں چند نامور و ممتاز خواتین خاندان تیموریہ
وغیرہ کے مفصل و مشرح حالات زندگی درج کیے
گئے ہیں جنمیں چند رانیاں اور زیادہ شہزادیاں ہیں

مرتبہ
سید ظہور الحسن مالک قومی پریس دہلی کٹرہ نظام الملک

حسب فرمایش حافظ ابو الحسن صاحب

سنہ ۱۹۱۵ء

باہتمام فضل حسین پرنٹر

ہلالی پریس دہلی میں طبع ہوئی

اُسکی حد سے زیادہ عظمت کرتے اور اسکی شرافت وجبروت کو دل سے تسلیم
کرتے تھے۔ اس معنی کر امتہ الحبیب ایک معززاور شریف خاندان کی عورت تھی
اور تعجب نہیں کہ اوسکی پیدایش خاندان کے ییں ہوئی ہو جیسا کہ بعض مورخین
نے لکھا ہے۔
امتہ الحبیب کا باپ یزدانی اگرچہ اصل میں آتش پرست تھا۔ اور بظاہر زرتشتی
مذہب تیز وساتیر کا پابند تھا۔ لیکن آخر میں نہ کسی کی تلقین و وعظ سے بلکہ صرف
عقل خداداد اور فطرت سلیمہ کے مفید کرشموں سے مسلمان ہو گیا تھا۔
جب خلیفۂ دوم جناب فاروق اعظم ملک ایران پر حملہ آور ہوے ہیں تو اسوقت
سے اکثر ایرانی خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور زرتشتی مذہب کی بنیاد
نہایت کمزور او سُست پڑ گئی تھی چنانچہ امتہ الحبیب کے خاندان کے بھی کثیر التعداد
بزرگ مسلمان ہو گئے تھے یزدانی بیشک کسی کے تلقین سے مسلمان نہیں ہوا
بلکہ لڑکپن ہی کے زمانہ میں ہوش سنبھالتے ہی زرتشتی مذہب اور آتش پرستی کا طریق
اُسکے نزدیک مشتبہ تھا وہ آتش پرستوں کے مذہبی اصول پر بڑی سرگرمی کے
ساتھ نکتہ چین تھا اور اس مذہب کے پیرؤں کو بڑی حقارت کی نظروں سے
دیکھتا تھا۔ اکثر اوقات غیر اقوام سے مذہبی مباحثے کیا کرتا اور مذہب حقانی اور
شریعت آسمانی کی تلاش میں مختلف مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا کبھی
موسوی شریعت کو ٹٹولتا اور گاہے مسیحیوں کی انجیل کی جانچ پڑتال کرتا۔ انجام کار
رفتہ رفتہ ان مباحثوں اور موشگافیوں کی یہانتک نوبت پہنچی اور اس تحقیق کا
یہ نتیجہ نکلا کہ وہ بلا تامل اسلامی دنیا میں داخل ہو گیا۔
امتہ الحبیب کی ماں نے جب دیکھا کہ خاوند مسلمان ہو گیا تو وہ بھی اُسکے ساتھ ہی
بطیب خاطر مسلمان ہو گئی۔ اسوقت امتہ الحبیب کی عمر تقریباً گیارہ سال کی تھی

گو یہ ابھی بچہ ہی تھی - اور عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ گیارہ برس کے بچے کسی بات
کے فراز و نشیب اور اتار چڑھاؤ سے بخوبی واقف نہیں ہوتے مگر امتہ الحبیب کی
خلقت اور فطرت اسکے بالکل مغائر تھی - اسمیں وہ خداداد عقل اور ذہن رسا تھا کہ
بے سوچے سمجھے کبھی کوئی بات ہی نہ کرتی تھی اور ہمیشہ فطرت کی اصلیت اور اشیا
کے عدوقی اسباب میں بیٹھنے اور بات کی تہ تک پہنچنے کی نہایت سرگرمی سے
ساتھ کوشش کرتی اور اُس سے فوراً نئے نئے عمدہ نتائج نکال لیتی تھی - امتہ الحبیب
نے جب دیکھا کہ میرے ماں باپ مسلمان ہو گئے تو سخت پریشان ہوئی اور متواتر
چند روز تک دریائے فکر میں غوطہ زن رہی اور ہر بات کے اصلی پہلوؤں پر غائر نظر
ڈالتی اور نتیجے کو کرید کرید کر نکالتی تھی - لیکن جوں ہی یزدانی اور اسکی بیوی نے
اپنی ہونہار اور ذیشعور لڑکی کو مشوش اور پریشان دیکھا تو نہایت ہی شفقت کے
لہجہ میں کہدیا کہ پیاری امتہ الحبیب تم ہرگز کسی بات کا خیال نکرو ہم کبھی تم پر زور نہ
ڈالیں گے کہ مسلمان ہو جاؤ بلکہ تم اپنی طبیعت کی مختار ہو چاہو زرتشتی مذہب برتو
اور دساتیر پر ایمان رکھو چاہو مسلمان ہو جاؤ غرضکہ ہم تمہیں تمہارے خیالات میں کبھی
پابند کرنا نہیں چاہتے اور کسی بات میں بھی تمہیں مجبور نہیں کر سکتے -

امتہ الحبیب اپنے والدین کی یہ مشفقانہ اور مسرت انگیز تقریر سنکر بہت ہی خوش
ہوئی اور اب وہ بڑی آزادی کے ساتھ زرتشتی اور اسلامی مذہب کے اصول محققانہ
طور سے دریافت کرنے لگی - اُس نے کامل دو سال اسی مذہبی تحقیق میں پورے
کئے اور حقانی مذہب کی تلاش کرنے کی کوشش میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی جس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی انجام کار تیرہ برس کی عمر میں مسلمان ہو گئی -

امتہ الحبیب کے والدین اسکے مسلمان ہونیسے بہت خوش تھے - کیونکہ انہیں
یقینی طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کسی کے جبر یا کسی طرح کی اُمید و طمع کے خیال سے مسلمان

نہیں ہوئی ہے بلکہ خود سوچ سمجھکر اسلام قبول کیا ہے۔

امتہ الحبیب کا کوئی بھائی نہ تھا۔ اسلئے یزدانی کو کمال اُمنگ اور شوق تھا کہ وہ اپنی تمام دلی آرزوؤں اور ارمانوں کو اس سے پورا کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اسے مردانہ لباس پہنایا کرتا تھا۔ اور لڑکوں کی طرح ہر قسم کی علمی اور سپاہیانہ تعلیم دلوایا کرتا تھا۔ اول گھوڑے پر چڑھنا سکھایا۔ پھر تیراندازی کی تعلیم دلائی۔ غرضکہ جسقدر علوم وفنون سپہگری کے متعلق ہوتے ہیں وہ سب امتہ الحبیب نے اپنے مہربان باپ کی کوشش سے بطریق احسن حاصل کرلئے اور اب اسمیں پورے جواں مرد اور فوجی افسر بننے کی قابلیت آگئی۔

اسوقت امتہ الحبیب کو عموماً شرفا کی صحبت میں رہنے کا اتفاق پڑتا تھا اوسکے اخلاقی خیالات ایسے اچھے تھے کہ ہر شخص اُس سے محبت پیش آتا۔ اور تمام مسلمان رئیس اُسکی ذاتی قابلیتوں کی وجہ سے اُسکی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے مگر یہ اپنے عزیز اور بیش قمیت وقت کو اکثر خلیفہ کی اولاد میں صرف کرنا پسند کرتی تھی اور وہ بھی اسکی علمی فیاضیوں کے باعث اسے دل سے چاہتے تھے۔ خلیفہ کے بچے اور امتہ الحبیب اس طرح باہم شیر وشکر ہوکر زندگی بسر کرتے تھے جیسے ایک شریف گھر کے سگے بہن بھائی رہتے ہیں۔

امتہ الحبیب کو علمی ترقی میں کوشش کرنیکا زیادہ موقع نہیں ملا لیکن اُسنے پھر بھی صرف خلیفہ کے بچوں کی صحبت میں تحصیل علم میں وہ حیرت انگیز اور نمایاں ترقی کی کہ اگر گھر میں تعلیم دیجاتی تو کبھی اس سے زیادہ ترقی نہ کرسکتی۔ زاں بعد امتہ الحبیب مدرسہ سلطانیہ حربیہ میں بھرتی ہوئی۔ اور یہاں اُسنے اپنی فطری لیاقت اور جودت ذہن کی بدولت بہت تھوڑے عرصہ یعنی صرف سوا مہینے میں جنگ کے تمام اصول سیکھ لئے۔ اور اب وہ اپنے ہمعصر فوجی نوجوانوں میں امتیازیہ

نظروں سے دیکھی جانے لگی۔
اسی اثنا میں مختلف شہزادوں نے نکاح کے پیام اُسکے پاس بھیجے۔ مگر اُس نے فوراً انکار کر دیا۔ کیونکہ اُسنے حتمی اور قطعی طور پر ارادہ کر لیا تھا کہ جہاں تک بن پڑیگا میں کبھی کسی سے شادی نہ کرونگی۔ وجہ یہ کہ اُسے مختلف صحبتوں میں رہنے۔ نیز اُسکے ذاتی تجربہ نے معلوم کرا دیا تھا کہ عورت اپنی شادی کر کے بالکل قیدی جانور کی طرح سمجھی جاتی ہے اُسکے تمام انسانی حقوق تلف کر دئے جاتے ہیں اور اُسے پھر کبھی آزادی نصیب نہیں ہوتی۔ نیز اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُن بہنوں کو کسقدر جگر خراش مصائب اور جانگزا تکالیف کی برداشت کرنی پڑتی ہے جن کے خاوند بد اخلاق اور بُرے نکلتے ہیں۔
یزدانی کے پاس بھی اس قسم کے بہت سے پیغام آئے۔ لیکن اُسنے اپنی پیاری بیٹی کی آزاد پسند طبیعت کا اندازہ کر کے ہر ایک شخص کو صاف اور کورا جواب دیدیا۔ کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ چونکہ بلحاظ اصول اسلام وہ اپنی شادی کرنے کی آپ مختار ہے اسلئے میں اُسپر ذرا بھی جبر نہیں کر سکتا اُسے اختیار ہے جہاں چاہے شادی کرلے اور اسی میں میں بھی خوش ہوں جب امتہ الحبیب کی عمر ۱۹ برس کی تھی تو یزدانی بایزید کی فوج میں بھرتی ہو گیا تھا اور چند ہی روز میں اپنی ذاتی کوششوں اور محض اصابت رائے اور ہوشیاری و عقلمندی کی وجہ سے اُسے بایزید کے ہاں وہ اقتدار و عروج حاصل ہو گیا تھا کہ ایک ایرانی النسل شخص ترکی افواج کا جنرل قرار دیدیا گیا۔ امتہ الحبیب بھی اپنے باپ کے ساتھ ہی بایزید کے ہاں فوج میں ملازم ہو گئی تھی۔ اگرچہ بایزید اول اول امتہ الحبیب جیسی نوجوان نوخیز اور نہایت حسینہ و جمیلہ لڑکی کو مردانہ بھیس میں رکھتے ہچکچاتا تھا۔ لیکن پھر اُسکی بیدار مغزی اور ذاتی لیاقت نے بایزید کے تمام تذبذبات کو

مٹادیا اور اب بایزید نے نہایت آزادی اور خوشی کے ساتھ اُسے اپنی فوج کی لفٹنٹ کے عہدے سے ممتاز کیا۔

یہ امر نہ صرف تعجب ناک بلکہ سخت حیرت انگیز ہے کہ نوجوان امتہ الحبیب ۱۸ سال کی عمر تک جو عین شباب اور دلی جذبات اور پُرجوش ولولوں کا عالم ہے اپنے ہمعصر فوجی نوجوانوں میں بالکل ویسی ہی رہی جیسے ایک سگی بہن بھائیوں میں رہتی ہے اُسکی پاک اور بے لوث طبیعت میں کبھی نامبارک جوش اور نفرت انگیز ولولے ہی نہیں اُٹھے۔ گو وہ ایک نہایت حسین نوجوان عورت تھی۔ مگر خدا کی قدرت کہ اُسے کبھی اپنی نوجوانی کے ابھار دیکھنے کا ارمان ہی نہیں ہوا اور اُسکی سب سے بڑی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں یا تو یہ کہ اُسکی طبیعت فطرتاً بالکل صاف تھی اور کبھی کوئی بُرا اور مذموم خیال اُسکے ذہن نشین ہی نہیں ہوا۔ یا یہ کہ کبھی کوئی نوجوان کسی حالت میں اُسے بُری نگاہ سے نہ دیکھتا تھا۔

جب بایزید کی فوج کو کسی مہم پر جانے کا اتفاق پڑتا یا وہ اپنے فوجی افسروں کے امتحان اور آزمایش کی غرض سے مصنوعی جنگ کا حکم دیدیتا تو نیر ول امتہ الحبیب فوجی کام میں اگر مردوں سے اول نمبر نہ رہتی تو کسی کام میں اُن سے کم بھی نہ رہتی بایزید اُسکی بہادری اور جرأت کی بیحد تعریف کرتا اور اپنی اولاد کی طرح اُس سے بہ محبت پیش آتا۔ اور اُسکی فوجی مشق دیکھکر متواتر اور بار بار اپنے ہاتھ سے کثیر التعداد رقمیں بطریق انعام عطا کیا کرتا تھا۔ دفعتاً اسی اثنا میں بایزید کا تیمور سے مقابلہ ہوا اور چند خونخوار جنگوں اور نہایت خوفناک خونریزیوں کے بعد بایزید کو شکست ہوئی اور امتہ الحبیب اپنے بہت سے مددگاروں اور جاں نثاروں کے ساتھ گرفتار کرلی گئی۔

میں شہنشاہ تیمور اور بایزید کی اس خونخوار جنگ کے پورے واقعات لکھکر اپنے

بیان کو زیادہ طول نہ دونگا البتہ وہ دلچسپ اور حیرتناک کارنامے ضرور قلمبند کرونگا
جو امتہ الحبیب کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں اور جنسے ناظرین پر یہ بات
بخوبی ظاہر ہوسکتی ہے کہ یہ آزادی پسند خاتون اپنے تئیں تیمور جیسے قہرناک سلطان کے
نکاح میں دینے کو کیونکر راضی ہوگئی۔ اور اسنے ایک ایسے خونخوار اور وحشیانہ مزاج
بادشاہ کی محکوم بن کر کس طرح اپنی زندگی بسر کی اُسنے اُس زمانہ میں جبکہ وہ ایک
اولوالعزم شہنشاہ کی بیگم کہلائی جانے لگی تھی۔ کیا کیا اور اسوقت اسکی کیا کیفیت تھی۔
جسوقت بایزید اور سلطان تیمور کے دونوں خونخوار لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اور جبل الطیر
کے نہایت وسیع اور خوفناک سطح پر ترکوں کے خون کا دریا لہریں لینے لگا۔ تو
امتہ الحبیب زرہ بکتر سے اپنا سارا جسم چھپائے ہوئے لشکر بایزید سے برآمد ہوئی
اور نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ مردانہ وار افواج تیمور پر تیروں کا مینہ برساتی
ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی تیموری فوج میں کا ایک شخص بھی اس پُرخوف اور خطرناک
حالت میں بالکل تمیز نہ کرسکا کہ یہ عورت ہے۔ انجام کار بایزید کو شکست ہوئی اور
اُس کے بڑے بڑے فوجی افسر زندہ قید کرلئے گئے بایزید کے جو فوجی افسر قید ہوکر
آئے تھے اُن میں ایک امتہ الحبیب بھی تھی۔
ایک محقق مورخ امتہ الحبیب کی اسوقت کی شکل و شباہت کا فوٹو یوں کھینچا ہے
کہ امتہ الحبیب یا حمیدہ بانو بیگم ایک لانبے قد کی عورت تھی۔ اسکے ہاتھ پیر کسیقدر
چوڑے چکلے تھے۔ مستانہ اور بڑی بڑی آنکھیں مگر یوروپین کی طرح نیلی رنگ
خوب کھلتا ہوا۔ گندم گوں۔ گول چہرہ۔ چوڑی اور کشادہ پیشانی۔ باریک اور نہایت
خوبصورتی کے ساتھ خم کھائی ہوئی بھنویں۔ چہرہ کا رنگ نہایت صاف۔ لیکن پُر
رُعب۔ وہ نہایت خلیق اور منکسر المزاج تھی مگر پھر بھی اُسکی صورت سے رعب اور
دبدبہ کی شان برستی تھی۔ جسوقت وہ تیموری فوج پر حملہ آور ہوئی ہے تو اپنے نازک

مگر مضبوط اور قوی جسم کو زرہ بکتر سے چھپائے ہوئے تھی۔ ایک آہنی خود سر پر رکھا
ہوا تھا سر سے دو گز اوپر نیزے کا پھل روشن تارے کی طرح چاروں طرف کرنیں
ڈال رہا تھا سینے میں ایک زہر سے بجھا ہوا خنجر لگا ہوا۔ کمان شانے پر پڑی ہوئی
ترکش پشت پر لٹکی ہوئی داہنے ہاتھ میں ایک بڑا بھاری فولادی گرز۔ دونوں پہلوؤں
میں دو تلواریں لٹک رہی تھیں۔ ایک پیل پیکر گھوڑے پر سوار نئے انداز اور عجیب
آن بان سے گھوڑے کو سنبھال کر آگے بڑھی چلی آرہی تھی۔
الغرض اس فتح کے دوسرے ہی روز شہنشاہ تیمور نے حکم دیا کہ بایزید کی فوج کے جس
قدر لوگ گرفتار ہو کر آئے ہیں سب قتل کر دیئے جائیں۔ اس تیموری حکم کے نافذ
ہوتے ہی امتہ الحبیب نے تیمور جیسے خونخوار اور ضدی بادشاہ کے سامنے آکر بڑی
دلیری سے کہا کہ بادشاہ! مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ ہر چند کہ اسکا یہ معمولی اور سادہ
فقرہ کچھ ایسا موثر نہ تھا اور تیمور جیسے قہار سلطان کے آگے اسقدر وقعت نہ رکھتا تھا
کہ اُسکی توجہ اسپر مائل ہوتی۔ لیکن پھر بھی چند ندیموں اور ارکان سلطنت کی سفارش
کرنیسے اُس نے اس دلیر اور جری خاتون کو جو مردانہ بھیس میں بادشاہ کے تخت کے
سامنے کھڑی تھی پاس بلایا۔ اور کہا کہو کیا کہتا ہے۔
امتہ الحبیب شہنشاہ کا یہ امید دلانے والا فقرہ سن کر آگے بڑھی اور نہایت متانت
اور سنجیدگی کے لہجہ میں یوں گویا ہوئی کہ اے امیر اسوقت جو کچھ میں عرض کروں گا
سراسر صداقت اور آزادی پر مبنی ہوگا نہ میں کسی کی مصنوعی اور بناوٹی تعریف کرونگا
نہ کسی کی نسبت جھوٹے الفاظ میری زبان سے نکلیں گے میری التجا ہے کہ تاوقتیکہ
میں اپنے مافی الضمیر کا اچھی طرح اظہار نہ کر لوں تقریر کرنیسے بند نہ کیا جاؤں۔
امتہ الحبیب کی اس پُر مغز اور عاقلانہ تقریر نے دربار کے ندیموں اور تمام ارکان
سلطنت بلکہ خود امیر تیمور پر وہ پُر رعب اثر ڈالا کہ سب کے سب دم بخود ہو گئے اور نہایت

استعجاب وحیرت سے باہم کہنے لگے کہ یہ کوئی بڑا ہی دلیر اور بیباک شخص ہے جو ایسے خونخوار اور قہرناک بادشاہ کے سامنے اتنی بیخوفی اور سختی سے گفتگو کر رہا ہے۔ اس کی باتوں سے ذرا بھی تواضع اور ملق نہیں پایا جاتا۔ اسوقت تیموری دربار کی عجیب وغریب کیفیت تھی۔ چاروں طرف خاموشی اور سکوت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور ہر متنفس پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ تیمور کو خود اُسکی اس درشت مزاجی اور بیخوف گفتگو پر تعجب اور تعجب کے ساتھ سخت حیرت تھی۔ انجام کار تیمور نے تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد گردن اُٹھائی اور اجازت دی کہ تجھے جو کچھ کہنا ہے کہہ۔ میں امید دلاتا ہوں کہ اسوقت تو جو کچھ کہیگا میں اُسے بڑی خوشی کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر سنوں گا۔

امتہ الحبیب کو تیمور کی اس تسلی آمیز اجازت نے کسیقدر اور بھی دلیر کر دیا اور اب وہ پوری جرأت اور بیباکی سے یوں کہنے لگی۔ اے بادشاہ! تو نے جو بایزید پر چڑھائی کر کے صدہا بندگان خدا کی خونریزی کی اور تیرے لشکر کی خونریز تلواروں نے بڑی خونخواری کے ساتھ ہزاروں بیگناہوں کے تن بے سر کر دئے خوب سمجھ لے کہ یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے۔ جو قیامت تک تیرے گلے کا ہار رہے گا۔ اور کبھی معاف نہو گا۔ تو نے نہایت بے رحمی اور سخت بیدردی سے ستر ہزار بیگناہ ترکوں کو دہوکا دیکر سرنگ کے ذریعہ سے اُڑا دیا۔ اور اُنکے معصوم اور لاڈلے بچوں کو یتیم ناکردہ کار عورتوں کو بیوہ کر دیا۔ میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ تو نے بہادر ترکوں کی خونریزی نہیں کی اُن کے خون کے بہتے دریا میں اپنے گھوڑے کے سم نہیں بھگوئے بلکہ اسلام کی بیخ وبنیاد کو اُکھیڑ کر پھینکدیا۔ یہی حامیان اسلام اور جاں نثار ترک تھے جنہوں نے تمام یوروپ پر مردانہ حملے کر کے ان کا قافیہ تنگ کر دیا تھا۔ یہی ترک تھے جنہوں نے تمام مخالف سلطنتوں کو زیر وزبر کر کے اپنے لئے فاتحان قوم کا معززانہ خطاب حاصل کیا تہا۔ بھلا کسی آسمانی شریعت یا ملکی قانون میں تو یہ بتا سکتا

ہے کہ مسلمانوں کو اس بیرحمی اور ظلم کے ساتھ قتل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ بایزید نے نہایت تواضع اور فروتنی کے ساتھ تجھے صلح کا پیام دیا۔ اور ایک بیگناہ مخلوق کی جان بچانے کے لئے تجھ جیسے متکبر اور نخوت پسند شخص سے بلجاجت پیش آیا مگر تو نے اُس پر بالکل توجہ نہ کی۔ اور اُسکے جواب میں یہ مغرورانہ تحریر بھیجی کہ تا وقتیکہ میں تیرے ملک پر فتحیاب ہونگا میرا نام فاتحان اولوالعزم کے رجسٹر میں کبھی درج نہیں ہو سکتا۔

اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ایک نہ ایک دن تیری عمر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک جانیوالا ہے۔ یعنی تجھے ضرور مرنا ہے اور اس عالم کو طے کر کے ربّ الافواج کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ پھر تو ہی بتا کہ جب وہ ان مظلوم جفاکشوں کی بابت تجھ سے عتاب آمیز سوال کریگا تو تو کیا جواب دیگا۔ میں اس بے نتیجہ بات کی بابت زیادہ بحث کرنا پسند نہیں کرتا۔ صرف اسقدر اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھلا آجتک کبھی مظلوم قیدیوں پر بہادروں کی تلواریں اٹھی ہیں۔ ہم بے بس قیدی ہیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ نہایت ہی بزدلانہ اور نفرت انگیز فیصلہ ہے۔ کہ تو ہمیں اس حالت بےبسی میں گردن مارے جانے کا حکم دیتا ہے۔

امتہ الحبیب اس سلسلۂ تقریر کو ختم کر کے اپنا ہاتھ سر تک لیگئی اور اپنا آہنی خود جو ابھی آفتاب کی شعاع سے آئینہ کی طرح چمک رہا تھا اتار کر زمین پر پھینکدیا۔ اور ایک نہایت کرخت لہجہ میں کہا۔ اے سلطان! دیکھ اور خوب دیکھ کہ میں ایک ناتجربہ کار عورت ہوں تو بھی سے اس بات کا عمدہ طور پر اندازہ کر سکتا ہے کہ جس قوم کی عورتیں ایسی بیباک اور بہادر ہوتی ہیں اُنکے مرد کیسے بیخوف و دلیر ہونگے۔

امتہ الحبیب کو قدرت نے صورت ہی ایسی دی تھی کہ ممکن نہ تھا کوئی اُسے دیکھے اور دیکھتا نہ رہجائے۔ جوں ہی تیمور نے اُسے دیکھا۔ دیکھتے ہی بھڑک گیا اور اسکی اُس بیخوف اور گستاخانہ گفتگو پر بھونچکا سا ہو گیا۔ اگرچہ امتہ الحبیب کی یہ تقریر نہایت

ہی بیباک اور سخت تھی ۔ بالخصوص ایک خونخوار اور قہرناک سلطان کی بابت اوسی کو مخاطب کرکے ۔ مگر تیمور نے بڑی منکسرالمزاجی اور متواضعانہ اخلاق کے ساتھ بہت ہی نرمی کے لہجہ میں کہا کہ اے بہادر اور دلیر خاتون تو نے جو کچھ اپنی اس تقریر کے پیرائے میں ظاہر کیا ہے ۔ سب درست اور بجا ہے ۔ لیکن واقعی بات یہ ہے کہ مختلف فتوحات کی دلچسپی نے وہ نئے نئے سامان پیدا کردئے ہیں ۔ جنہوں نے اصلی واقعات کو مٹا دیا ۔ جا میں نے تیرا اور تیرے جاں نثار قیدیوں کا خون معاف کردیا ۔

یہ سنتے ہی امتہ الحبیب نے بادشاہ کو سلام کیا اور مع اپنے ہمراہیوں کے لشکر بایزید میں جا ملی ۔ اُسکے چلے جانے کے بعد شاہ تیمور نے یزدانی کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا اول تو وہ یہ سوچکر کسیقدر متامل ہوا کہ تیمور انتہا سے زیادہ غصیلا اور خونخوار بادشاہ ہے مبادا امتہ الحبیب کو اُس سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے مگر جب اس نے خود امتہ الحبیب ہی کی مرضی اس طرف مائل پائی تو فوراً قبول کرلیا ۔

تیمور یہ خوشخبری سُنکر کہ یزدانی نے اُس کے پیام کو بخوشی منظور کرلیا بہت خوش ہوا اور دوسرے ہی روز اپنے ہمراہ گیارہ ہزار فوجی بہادروں کا مجمع لیکر جبل الطیر کے وسیع میدان میں نکاح کرنے گیا ۔ یہاں یزدانی نے ایک نہایت عظیم الشان خیمہ جس میں تقریباً بائیس ہزار فوج کی اچھی طرح گنجایش ہوسکتی تھی ایک اونچی سطح پر زمین کے مستطیل قطعہ میں ایستادہ کیا ۔ اور جب تیمور اس خیمہ کے قریب پہنچا تو یزدانی اور اُسکے ساتھ بہت سے فوجی افسروں نے بڑے جوش مسرت کے ساتھ اُسکا استقبال کیا اور ایک نہایت ہی مکلف اور بیش قیمت فرش پر بٹھایا ۔ تیمور نے امتہ الحبیب کے مہر میں مُلک چین لکھا اور قاضی نے معمولی خطبہ پڑھکر ان دونوں کا نکاح باندھ دیا ۔

یزدانی نے اپنی وسعت و گنجایش کے موافق اپنی پیاری بیٹی امتہ الحبیب کو بہت کچھ جہیز دیا ۔ اور چند الوداعی نصیحتانہ کلمات کہکر رخصت کردیا امتہ الحبیب شاہی محل میں داخل

ہوئی اور آج سے تمام حرم سرا کی بیگموں میں حمیدہ بانو بیگم کے نام سے پکاری جانے لگی۔
گو حمیدہ بانو بیگم کے علاوہ تیمور کی تین بیگمیں اور بھی تھیں مگر تمام بیگمات میں نسبتۃً یہ تیمور
کی بہت پیاری تھی اُسنے اپنی ظاہری خوبصورتی اور حسن وجمال ہی سے تیمور جیسے جابر و
قاہر سلطان کا دل اپنی طرف مائل نہیں کیا تھا بلکہ اپنی روشن دماغی اپنی بیدار مغزی
اپنے اچھے اخلاق وعادات اپنی قابل تعریف شایستگی و تہذیب کی وجہ سے نہ
صرف بادشاہ کو بلکہ حرم سرائے کی تمام بیگموں کو اپنا گرویدہ و فریفتہ کرلیا تھا۔ اُسنے
قریباً کل حرم سرا میں وہ ہردلعزیزی اور رسائی پیدا کرلی تھی کہ ہر ایک بیگم اسکی عظمت
کرتی اور محبت سے پیش آتی تھی۔ تیمور جیسا اپنی دُھن کا پورا اور ضدی بادشاہ اکثر
اوقات ملکی اور جنگی امور میں اس سے مشورہ لیتا اور جو کچھ یہ مشورہ دیتی اکثر اُسی کے
مطابق عمل میں لاتا۔ جبتک تیمور زندہ رہا یہ ہر خطرناک معرکہ اور خوفناک مقام پر اسلحہ
سے آراستہ ہوکر اُسکے ساتھ رہی اور میدان جنگ میں عین مقابلہ کے وقت جوان
مردی کے بڑے بڑے جوہر اور شجاعت کے حیرت انگیز نمونہ دکھایا کی۔
حمیدہ بانو بیگم ترکی عربی فارسی زبان کے علاوہ چینی اور زرتشتی زبان بھی جانتی تھی
اور موسیقی علوم میں پوری اور کامل مہارت رکھتی تھی۔ دوسری عورتوں کی مانند جو
قدرتی اشیاء پر دلدادہ ہیں حمیدہ بانو بیگم بھی فن شاعری سے بہت کچھ دلچسپی رکھتی
تھی۔ اور یہ کہنا مبالغہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حمیدہ بانو بیگم کی فطرت میں فن شاعری کا قدرتی
مادہ رکھا گیا تھا وہ اکثر اوقات ترکی اور عربی زبان میں اشعار موزوں کیا کرتی تھی جو
برجستگی اور بیساختگی اور الفاظ کی بندش مطالب کی چستی اسے حاصل تھی اور شعرا میں
بہت کم دیکھی جاتی تھی۔ لیکن حمیدہ بانو بیگم کے عموماً جسقدر اشعار ہوتے تھے
وہ سب بیہودہ مبالغہ سے پاک صاف ہوتے تھے۔ اُسکے اشعار یا تو اخلاقی مضامین
کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے یا بہادروں کی دلیرانہ اور شجاعانہ کوششوں

کی تعریف میں منحصر ہوتے تھے۔ وہ فضول شاعری یعنی حسن و عشق کے بے نتائج
جھگڑوں کو اپنی فطرت اور قومی طریقہ کے بالکل مغایر سمجھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُسکے
اشعار میں نہ تو کسی قسم کے حسن کی تعریف دیکھی جاتی ہے نہ عشق و محبت کے کرشموں
کا سراغ اور لگاؤ پایا جاتا ہے۔

حمیدہ بانو بیگم کی تاریخ زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل قدر اور لایق تعریف
دیکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اُسے کوئی نصیحتاً بات کہی جاتی تو اُسکی نہایت
شکر گزار ہوتی اور اگر وہ بات عمدہ اور نتیجہ خیز ہوتی تو نہایت سرگرمی اور مستعدی کے
ساتھ اُسکی عملی تکمیل میں کوشش کرتی۔ اگرچہ اُسکی گفتگو میں ذرا جلدی تھی مگر یہ ناممکن
تھا کہ بیان کی فصاحت و بلاغت پھیکی پڑ جائے۔ اُسکی حاضر جوابی اور برجستگی
کی قریباً تمام لشکر تیمور میں ایک غیر معمولی شہرت پھیل گئی تھی۔ مگر اُسکی۔ یہ حاضر جوابی
اور برجستگی ایسی بے معنی اور لغو نہ تھی جو کسی کو ناگوار گزرتی بلکہ سننے والے پر ایک قسم کی
کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ اُس سے نہایت مفید اور کارآمد نتائج نکال لیتا۔

اسکی ترکی اور عربی انشاپردازی بڑے سلیقہ اور خوبی کے ساتھ ہوتی تھی۔ یہ اپنی
حرم سرا کی بیگمات کے نام مختلف زبانوں میں اپنے ہاتھ سے خطوط لکھتی بلکہ اسکا
منصبی فرض تھا کہ تمام سلطنت کے افسروں اور عہدہ داروں کے نام جسقدر احکام و
فرامین صادر ہوتے تھے انہیں حمیدہ بانو بیگم ہی اپنے ہاتھ سے تحریر کرتی تھی۔ نیز تیمور
کے حضور میں جسقدر عرائض اور استغاثے یا یادداشتیں اور رپورٹیں گزرتی تھیں جو
روزانہ ہمیشہ سینکڑوں کی تعداد سے متجاوز ہوتی تھیں اُنکے متعلق احکام و تجاویز اور
فیصلے خود بھی بیگم لکھا کرتی تھی۔ غرضکہ حمیدہ بانو بیگم جیسی فصیح و بلیغ اور عقل و تمیز کا پتلا
تھی ویسی ہی اپنی تعجب خیز فیاضی اور حیرت انگیز خوش اخلاقی میں بھی مشہور تھی۔

ایک بہت بڑی قابل تعریف بات حمیدہ بانو بیگم میں یہ تھی کہ وہ اپنے فرائض اس

جرأت اور آزادی کے ساتھ ادا کرتی تھی جسکی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت
کم ملسکتی ہے۔ اُسکا جو وقت امور متذکرہ بالا کی تکمیل کے بعد باقی رہتا وہ یا تو
انتظام خانہ داری اور تیمور کی خدمت میں صرف ہوتا یا مختلف علوم کی کتب بینی میں اس
وقت اسکی سب سے بڑی یادگار دو کتابیں ہیں جو اس نے امیر تیمور کے انتقال کے
بعد قسطنطنیہ میں رہکر بڑی محنت اور جانکاہی سے لکھی ہیں اور جن سے اُس کی ذاتی
قابلیتوں اور فطری لیاقتوں کا کافی ثبوت ملسکتا ہے۔ ایک کتاب کا نام ترکی
خواتین ہے اور دوسری کا نام امیر تیمور کی فتوحات ہند یہ دونوں کتابیں دراصل
اُسکے ان سفری مشاہدات اور کتب بینی کی تحقیقات کا نتیجہ ہیں جن پر وہ وقتاً فوقتاً
نوٹ کرتی گئی تھی۔

ترکی خواتین کی تاریخ بہت بڑی ضخیم کتاب ہے اسیں بالخصوص ترکی شرفا کی خواتین
کے اخلاق و عادات طرز معاشرت مقامی تعلقات اور باہمی میل جول شائستگی
وتہذیب۔ اپنے شوہروں کے ساتھ محبتانہ برتاؤ۔ انتظام خانہ داری کی کیفیت
یہ تمام باتیں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں۔ اور یہ بھی جتایا ہے کہ عورتوں کو
عموماً کونسی باتیں اختیار کرنی چاہئیں جنسے اُنکی خانہ داری کی انتظامیہ کیفیت
بوجہ احسن تکمیل پاسکے۔ اور وہ کون باتیں ہیں جنکے ذریعہ سے عورتیں اپنی مجلسیوں
اور مصیبتوں میں امتیازیہ نظر سے دیکھی جانیکے قابل ہوسکتی ہیں اور اونکے خاوند
انھیں ہمیشہ عزیز رکھ سکتے ہیں۔

دوسری کتاب جسکا نام تیمور کی فتوحات ہند ہے ایک نہایت ہی عجیب و غریب
اور بےمثل تاریخی خزانہ ہے۔ اوسکے اول حصہ میں حمیدہ بانو بیگم نے ان مورخوں
کے متعصبانہ اور جاہلانہ اعتراضوں اور بزدلانہ حملوں کے نہایت متانت اور
سنجیدگی کے ساتھ معقول جوابات دئے ہیں۔ جنہوں نے ابتدائے فتوحات

سے امیر تیموریہ کی نتیجہ خیز پالیسی پر حملے کئے ہیں جو دلچسپ اور تعجب ناک واقعات
کہ تیمور کے متعلق اسمیں درج ہیں۔ کسی اور تاریخ میں بہت کم دیکھے گئے ہیں۔ اس
کتاب کے تقریباً تین حصوں میں تو تیمور کے عادات واخلاق اور تمدنی وملکی حالات
اور اوسکے معاشرتی طرز پر بحث کی گئی ہے۔ اور آخری حصہ میں حمیدہ بانو بیگم
نے نہایت ہی مجمل طور پر اپنی تاریخ زندگی کے واقعات درج کئے ہیں ان دونوں
کتابوں کا اول فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور پھر فرانسیسی سے مختلف زبانوں
کے قوالب میں ڈھالی گئیں حمیدہ بانو بیگم کی طبیعت سینے پرونے کی طرف مائل
نہ تھی۔ کیونکہ بچپن کے زمانہ سے اسوقت تک اُسے اسطرف کبھی توجہ نہیں دلائی
گئی نہ کبھی اُسے اسکی ضرورت پڑی۔ البتہ زرہ بکتر بنانا خوب جانتی تھی شہنشاہ
تیمور جسقدر زرہ بکتر معرکہ آرائی کے وقت استعمال میں لاتا تھا وہ سب اسی کے
ہاتھ کی بنائی ہوئی ہوتی تھیں۔

حمیدہ بانو بیگم بیشک اسلامی خوشنما دنیا میں داخل ہوچکی تھی مگر اصول اسلام کی
پابندی میں سرگرم اور مستعد نہ تھی پنجگانہ نماز جو اسلام کا رکن اعظم بلکہ اسکی اصل
اور جڑ قرار دیگئی ہے یہ کبھی نہیں بھی پابندی اور قید کے ساتھ ادا نہ کرتی تھی
اور سب سے زیادہ تعجب ناک بات یہ ہے کہ وہ باوجود مسلمان ہونے کے بھی
کبھی کبھی حالت تنہائی میں اپنے سابق مذہب زرتشتی پر مائل ہوجاتی اور چقماق
جھاڑ کر آتش پرستی پر محو ہوجاتی تھی۔ گویا اسلامی حالت میں بھی زردشتی مذہب
کی محبت کے لئے اُسکے دل میں خاطر خواہ جگہ باقی تھی۔ اس بات کا پورا اور کافی
اندازہ کہ حمیدہ بانو بیگم کے دل میں مذہب زرتشت کی محبت کا معمولی اثر اسلام کے
بعد بھی موجود تھا اسی کے ایک خط سے ہوسکتا ہے جو اُسنے ایک مشہور ومعروف
سردار آتش پرست کے نام لکھا تھا اور جسمیں اُسنے تمام مذہبی خیالات بڑی آزادی

کے ساتھ برملا کردئے تھے۔ چونکہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس خط میں ایک قسم کا خاص تعلق ہے اسلئے ہم اس خط کو یہاں نقل کرنا خالی از لطف نہیں خیال کرتے وہ لکھتی ہے کہ

"جناب کا خط مجھے پہنچا۔ حضور نے جو میری انقلاب حالت اور موجودہ خیالات پر ملال و افسوس ظاہر کیا ہے میں نہیں سمجھتی کہ اسکا کیا جواب دوں۔ آپ کا یہ تحریر کرنا کہ میں امیر تیمور کی بیگم بنکر اسلامی دنیا میں داخل ہوئی یقینی طور پر نادرست ہے شہنشاہ تیمور کی بیگم بننے سے پیشتر ہی نہ کسی کے کہنے سننے یا جبر و طمع سے بلکہ خود اپنی مرضی اور طبیعت سے مسلمان ہو چکی تھی۔ اب رہی یہ بات کہ تو کیوں مسلمان ہو گئی اور مذہب اسلام میں کونسی ایسی خوبی اور قابل تعریف بات دیکھی جسپر تو فریفتہ ہو کر مقدس زرتشت اور اسکے قدیم مذہب سے کنارہ کش ہو گئی۔ نہایت ہی نازک اور دقت آفریں ہے۔ جسکے جواب میں بجز اسکے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ میرے دل کا طبعی میلان خود بخود اسطرف ہو گیا۔ اور دل پر کبھی کسی انسان کا بس نہیں چل سکتا باقی رہا یہ سوال کہ زرتشت کی محبت و عزت کا اثر میرے دل میں باقی ہے کہ نہیں اور مذہب آتش پرستی کی وقعت میری نگاہ میں ہے یا نہیں۔ اسکے جواب میں میں آپ کو یقین دلاتی اور خدا کو گواہ کرکے کہتی ہوں کہ میں اب بھی زرتشت کی ویسی ہی عظمت کرتی ہوں جیسے زمانہ سابق میں کرتی تھی اور مذہب آتش پرستی کی وہی وقعت میرے دلمیں ہے جو پہلے تھی"

حمیدہ بانو بیگم کی خوبصورت اور روشن تصویر میں یہ ایک ایسا تاریک اور بدنما پہلو

ہے۔ جس سے اسلامی مورخوں کی نگاہ میں اُسکا اسلام مشتبہ نظر آتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض عربی تاریخوں میں اُسے ملحدانہ اور نیچرل خیالات کی عورت بتایا گیا ہے لیکن باایںہمہ ہمیں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حمیدہ بانو بیگم اپنے زمانہ کی ایک نہایت ہی خلیق اور متواضع اور باحیا اور شجاع عورت تھی اور اُسے ہر قسم کے علوم و فنون سے بڑی دلچسپی حاصل تھی۔

حمیدہ بانو بیگم کی تاریخ زندگی میں بہت سے اس قسم کے واقعات دیکھے جاتے ہیں جو نہ صرف اُسکی یادگار کے ذرائع ہیں بلکہ سرتاپا عبرتناک اور نصیحت انگیز ہیں جنسے صاف واضح ہوتا ہے کہ اگر آدمی ہر خطرناک موقع پر استقلال اور ہمت کو استعمال میں لائے تو اپنے مقاصد میں کبھی ناکامیاب نہو سب سے بڑا مشہور اور قابل الذکر واقعہ قلعہ اصطخر کی عظیم الشان مہم اور خونخوار معرکہ آرائی ہے جو سلطان تیمور کی زندگی ہی میں پیش آئی اور حمیدہ بانو بیگم کی مردانہ ہمت سے سر ہوئی۔ قلعہ اصطخر کا گورنر ایک شخص شریف حسن نامی تھا جو تیمور کی طرف سے اس پر قابضانہ تصرف رکھتا تھا۔ ابتدا میں اگرچہ یہ ایک سیدھا سادہ شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر جوں ہی اصطخر کا گورنر مقرر ہوا۔ اُس نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلائے اور بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ عربی مورخوں کا بیان ہے کہ شریف حسن دراصل بڑا ہی چالاک اور فریبی تھا جو اپنی شریر النفسی اور باجیانہ اخلاق سے تیمور جیسے سنجیدہ شہنشاہ کے ماتحت رہنا پسند نہ کرتا تھا۔ اور مستقل طور پر اصطخر کی حکومت اپنے قبضہ میں لانا چاہتا تھا شدہ شدہ اُسنے اپنے بعض خودسر ندیموں کی جرأت اور اشتعال دلانے سے ہاتھ پاؤں پھیلائے اور بغاوت کی آگ بھڑکانے میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کوشش کی۔

حمیدہ بانو بیگم اس بہادر فوج کو ساتھ لیکر قلعہ اصطخر کی طرف روانہ ہوئی۔ اور وہاں پہنچتے ہی غافل دشمن کا محاصرہ کرلیا محاصرہ کے بعد ایک خط اپنے قلم سے لکھا اور شریف حسن

کی طرف روانہ کیا خط کا مضمون یہ تھا۔

"شریف حسن کو معلوم ہو کہ تمنے جو یہ بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑکائی اچھا نہیں کیا۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اگر تم اب بھی اپنی اس سرکشی اور خود سری سے باز آگئے تو شہنشاہ تیمور کے نزدیک تمہاری ویسی ہی توقیر و عظمت تسلیم کیجائیگی جیسی اس سے پیشتر تسلیم کیجاتی تھی۔ اگر تم نے صرف بعض مغرور اور نخوت پسند اشخاص کے اشتغال طبع سے اس آگ کے بھڑکانے کی کوشش کی تو پھر تم خوب سمجھ لینا کہ بغاوت و سرکشی کا نتیجہ تمہیں بہت جلد ملجائیگا۔ تمہارے ساتھیوں کی مغرورانہ گردنیں توڑکر زمین پر ڈالدی جائینگی اور تمہارا تن بے سر بہادروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پاش پاش اور چورچور کردیا جائیگا۔ اگرچہ میں عورت ذات ہوں لیکن اپنے ارادہ کی پوری ہوں میں نے مصمم قصد کرلیا ہے کہ جبتک جسم میں روح باقی ہے لڑائی سے منہ نہ موڑونگی۔ اور تاوقتیکہ تمہاری نعش گھوڑوں کے سموں کی روندن میں نہ دیکھ لونگی صلح پر آمادہ نہونگی۔ میں مخلوق خدا کی خونریزی سے اپنی خونخوار تلوار کو رنگین کرنا ناپسند جانتی ہوں اور یہی وجہ ہے کہ بااصرار تم سے کہتی ہوں کہ اپنی اس غلط کاری اور ناعاقبت اندیشی پر متنبہ ہوجاؤ۔ باقی والسلام"

جوں ہی شریف حسن کے پاس یہ خط پہنچا اُسے حمیدہ بانو بیگم کو دہوکا دینے کا اچھا خاصا موقع ملگیا۔ اُسی وقت ایک لجاجت آمیز عرضی حمیدہ بانو بیگم کی خدمت میں بایں مضمون روانہ کی کہ آپ کے غلام کا سر حاضر ہے چاہے اسے تلوار سے کاٹ کر فتراک میں باندھیے چاہے تاج بخشی کیجئے۔ خدا گواہ ہے کہ نہ میں باغی ہوں نہ میں نے بغاوت کی آگ بھڑکانے میں کوشش کی ہے۔ البتہ بعض پیچیدہ معاملات ایسے درپیش ہیں

جنہوں نے میری بغاوت کا مصنوعی اعلان دیدیا ہے اور بالفرض اگر مجھ گردن زدنی سے کوئی اس قسم کی بات وقوع میں بھی آئی ہو تو میں اُسکی معافی کی درخواست کرتا ہوں۔ غلام سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ آپ کی حکم عدولی کرے یا فرمان حضور سے سر مو تجاوز کر جائے۔ کل حضور کے لئے قلعہ کا دروازہ کہولدیا جائے گا۔ اور غلام بھی دست بستہ حاضر خدمت ہو گا۔

حمیدہ بانو بیگم شریف حسن کا یہ جواب پاتے ہی اپنی خوش نصیبی پر اُچھل پڑی اور سمجھی کہ فتحیابی کے بعد تیمور کی نظروں میں میری اور بھی عظمت زیادہ ہو گی۔ لیکن افسوس یہ اسکی خوشی عارضی اور بہت تھوڑی دیر کے لئے تھی۔ حمیدہ بانو بیگم تو پھر بھی عورت تھی خواہ کوئی کیسا ہی جہاندیدہ اور تجربہ کار مرد ہوتا ضرور ایسے موقع پر دہوکے میں پڑجاتا درحقیقت اگر حمیدہ بانو بیگم شریف حسن کی ان چکنی چپڑی باتوں پر نہ جاتی اور خود اُسی طرح ہوشیار رہتی تو جن مشکلوں اور مصیبتوں کا اُسے آیندہ سامنا کرنا پڑا ہے اُن سے بچ جاتی۔

شریف حسن کی اس عرضی سے تیموری لشکر سے اور خود بیدار مغز حمیدہ بانو بیگم کو کافی اطمینان ہو گیا تہا۔ یہی وجہ تھی کہ رات کو ساری فوج باطمینان پڑی سوتی تھی اور جو لوگ خاص حمیدہ بانو بیگم کے خیمہ کے پہرہ دار تہے وہ بھی بیخبری اور غفلت کی حالت میں تھے۔ ایسی بیخبری اور غفلت کے وقت شریف حسن نے ایک بہت بڑا زبردست شبخون مارا رات کے ٹہیک دو بجے جبکہ چاروں طرف تاریکی اور خاموشی کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ باغی فوج بیخبروں پر حملہ آور ہوئی۔ خوش قسمتی سے حمیدہ بانو بیگم اس وقت امیر تیمور کے نام خط لکھ رہی تھی کہ دفعتہً گھوڑوں کے سموں کی خوفناک آوازیں کان میں پہنچیں۔ اسنے فوراً اپنے پہرہ دار کو للکار کر آواز دی کہ یہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی کیسی آواز ہے۔ پہرہ والے سپاہی نے بہرائی ہوئی آواز میں کہا حضور فریب اور

دغا باز غنیم کی فوج آپہنچی۔ سپاہی کی اس دہشتناک آواز سے حمیدہ بانو بیگم کے آڑے
حواس جاتے رہے اور اب وہ اپنے پریشان حواس کو جمع کر کے مسلح ہونے پر مستعد ہوگئی
ہنوز فوجی لباس سے آراستہ نہوئی تھی کہ شریف حسن کی فوج نے اُسکے خیمہ کا محاصرہ کرلیا
اب پہرہ والا نہایت خوفناک آواز میں چلایا کہ غنیم نے خیمہ کو بھی گھیر لیا۔ یہ سنتے ہی
حمیدہ بانو بیگم کے اوسان جاتے رہے اور اُسنے یقین کرلیا کہ بس اب تھوڑی دیر میں
دشمن کے ہاتھ میں گرفتار کرلیجاؤنگی۔ مگر پھر بھی وہ اپنی جوانمردی اور فراخ حوصلگی سے
اپنی اُسی مردانہ ہمت اور بے مثل استقلال پر قائم رہی فوراً مسلح ہوکر خیمہ سے باہر آئی دیکھا
کہ میری ساری فوج غفلت میں قتل ہورہی ہے اور غنیم کی فوج کے ایک بڑے دستہ
نے میرا خیمہ گھیر لیا ہے۔ اسوقت حمیدہ بانو بیگم بالکل تنہا تھی اور کوئی اُسکا یاور نہ تھا
یہ ایک ہی مصیبت کا وقت تھا کہ کیسا ہی بہادر اور شجاع شخص ہوتا اسے اپنی جان بچاکر
بھاگتے ہی بن پڑتا۔ لیکن اس بہادر خاتون کی حمیت نے گوارا نہیں کیا کہ یہاں سے
بھاگ کر چلی جائے اور تمام لشکر کو بھیڑ بکری کی طرح کٹوا ڈالے۔ اس نے نہایت
استقلال سے للکار کر آواز دی کہ او فریبی اور دغا باز شریف حسن! کدھر ہے سامنے
آ اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھا۔ یہ سن کر ایک نوجوان سوار جو شریف حسن کا بڑا
بیٹا تھا آگے بڑھا اور گستاخانہ آواز میں کہا بیگم صاحبہ آپ محاصرہ میں آچکی ہیں اب
آپ کا جانبر ہونا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ اگر آپ مجھے بجائے اپنے شوہر کے
سمجھیں تو ابھی محاصرہ اٹھا دیا جائے اور آپ کو عزت و توقیر سے قلعہ اصطخر کی حکومت
دیدی جائے۔ اس بات پر حمیدہ بانو بیگم بہت ہی برہم ہوئی اور فوراً ترکش سے
ایک تیر نکال کر ایسا مارا کہ وہ گھوڑے سے نیچے آرہا۔ اسی اثنا میں حمیدہ بانو بیگم نے
اپنی باڈی گارڈ کو زور سے آواز دی۔ باڈی گارڈ کے سپاہی تعداد میں کل پانسو
تھے جو اس خوفناک میدان میں اپنی بیگم کو چاروں طرف دیکھتے پھرتے تھے حمیدہ بانو بیگم

اس آواز میں ناکامیاب ہوئی۔ دوسری آواز دینے کا ارادہ تہا کہ شریف حسن ایک زبردست سواروں کے گروہ سے اس تنہا عورت پر آپڑا۔ درحقیقت یہ ایک نہایت نامردی اور بزدلی کا حملہ تہا جو شریف حسن نے حمیدہ بانو بیگم پر کیا مگر واہ رے حمیدہ بانو بیگم تیرا استقلال کہ کس سنجیدگی اور شجاعت سے آگے بڑہی اور مخالف کی اس کثیر التعداد فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوگئی۔

شریف حسن نے اپنی فوج کو حکم دیدیا تہا کہ جہاں تک بن پڑے اس بہادر خاتون کو زندہ گرفتار کرلیا جائے اور تاوقتیکہ میں حکم نہ دوں کوئی حملہ آور نہو۔ یہ حکم حمیدہ بانو بیگم کے حق میں بہت ہی اچہا تہا۔ ورنہ اگر باغی فوج کا ایک زبردست دستہ اُسپر تیر برساتا ہوا حملہ کرتا تو تنہا حمیدہ بانو بیگم کا نام نشان بھی نہ پایا جاتا۔ حمیدہ بانو بیگم نے باغی فوج کا ایک گروہ اپنی طرف بڑہتے دیکہا تو گہوڑے کی باگیں روک کر کہڑی ہوگئی۔ اور جب فوج اُسپر حملہ آور ہونیسے متامل ہوئی تو اُسے تعجب ہوا۔ لیکن فوراً تاڑ گئی کہ ان کا منشأ مجہے زندہ گرفتار کرنے کا ہے۔ یہ خیال کرکے خود اُنپر حملہ کرنا چاہتی تھی کہ شریف حسن نے دہشتناکی سے اپنے سواروں کو آواز دی کہ اے بہادرو ادہر آؤ۔ دشمن کی فوج نے میرا محاصرہ کرلیا۔ ان کا پریشان ہوکر واپس پہرنا تہا کہ حمیدہ بانو بیگم نے جہٹ پشت کی طرف سے باغی فوج پر حملہ کیا۔ اور پُر رعب آواز میں چیخ کر کہا۔ او فریبیو ہوشیار ہوجاؤ۔ تمہارے فریب اور دہوکے کا نتیجہ ابہی ظاہر ہوا جاتا ہے۔ دیکہو میری مدد کیلئے اور بہی فوج پہنچ گئی ہے۔ وہ وقت نہایت ہی پُرجوش تہا جبکہ حمیدہ بانو بیگم نے چلاکر یہ لفظ زبان سے نکالے تہے۔

ادہر تو شریف حسن کی فوج میں اضطراب اور پریشانی پہیل گئی ادہر حمیدہ بانو بیگم کی فوج سب طرف سے سمٹ سمٹا کر جنگ پر آمادہ ہوگئی۔ حمیدہ بانو بیگم حریف کی فوج میں گہس پڑی اُسنے بہت سے آدمیوں کو اپنی خونخوار تلوار سے مار کے گرادیا اور جو

قریب آیا موت کے گڑھے میں جا پڑا۔ دشمنوں کا غول ہٹ گیا اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ صبح تک برابر جنگ ہوتی رہی۔ حمیدہ بانو بیگم زخموں سے چور چور ہو گئی مگر بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ انجام کار حمیدہ بانو بیگم ہی کو فتح نصیب ہوئی۔

حمیدہ بانو بیگم کو زخموں نے اسدرجہ مجبور کر دیا تھا کہ وہ محاصرہ کے اٹھا دینے پر راضی ہو گئی۔ چنانچہ اسنے فوج کو کوچ کا حکم دیا اور وہاں سے ہٹ کر تیس میل کے فاصلہ پر موضع سلطانہ میں آپڑی۔ یہاں زخموں کا علاج کرایا اور سخت تکلیف کے بعد چند روز میں اچھی ہو گئی۔ اگرچہ اس شبخون میں حمیدہ بانو بیگم کے تین ہزار پیدل قتل کئے گئے اور کچھ زخمی ہو گئے تھے۔ مگر چونکہ ہنوز سامان رسد اس کے پاس کافی تھا اسلئے اس جوشیلی اور اولوالعزم خاتون نے پھر قلعہ اصطخر کیطرف رُخ کیا اور قلعے کے قریب پہنچتے ہی چھ سات میل کے فاصلہ سے باغی فوج سے مقابلہ کیا دس روز تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی اور گیارھویں دن حمید خاتون نے قلعہ فتح کر لیا۔ شریف حسن عین میدان جنگ میں قتل ہوا۔ اور اسکی بیوی بچے زندہ گرفتار ہو گئے حمیدہ نے اُنکے ساتھ رحیمانہ برتاؤ برتا اور قلعہ اصطخر اپنے ایک معتبر فوجی افسر کی تفویض میں کر کے تیمور کے پاس جا پہنچی۔

حمیدہ بانو بیگم کے علاوہ تیمور کی تین بیگمیں اور بھی تھیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ لیکن دو بیگمیں تیمور کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں صرف حمیدہ اور فخر النسا بیگم اسکے بعد زندہ رہی تھیں۔ جب تیمور بیمار پڑا اور روز بروز اسکی بُری حالت ہوتی گئی۔ تو حمیدہ بانو نے تیمور سے کہا۔ حضور! میرے لئے کیا ارشاد ہے۔ تیمور پر چونکہ جاں کندنی کی سختی طاری تھی اسلئے اس نے حمیدہ بانو کی اس بات کا فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن بہت تھوڑے عرصہ کے بعد اس

نے اپنے گئے ہوئے حواس بجا کر کے کہا۔ پیاری حمیدہ! میں اپنی زندگی ہی میں حکم دیتا ہوں کہ میرے انتقال کے بعد تم تخت نشین کیجاؤ۔ لیکن جب تیمور کا انتقال ہوا تو حمیدہ بانو بیگم کا سوتیلا بیٹا میراں شاہ ایک خونخوار کشت و خون کے بعد سلطان بنا یا گیا اُسوقت یہ بہادر خاتون بہت سا زر و جواہر ساتھ لیکر سیدھی شہر طفلس کو چلی گئی۔ شہر سمرقند سے ۷۶ میل کے فاصلہ پر ایک شہر انزار نام آباد ہے جہاں امیر تیمور بیمار پڑا اور وہیں انتقال کر لیا۔ اس کا مقبرہ سمرقند میں ہے تیمور نے ۳۶ برس فرمانروائی کی۔ اور ۸۰۷ھ ہجری میں اکہتر برس کی عمر کو پہنچکر راہ فنا میں گامزن ہونے پر مجبور ہوا امیر تیمور کی تاریخ ولادت اور تاریخ سلطنت نیز تاریخ وفات یہ سب باتیں ذیل کی رباعی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ **رباعی**

سلطان تیمر آنکہ مثل او شاہ نبود — در ہفت صد و سی و شش آمد بوجود

در ہفتصد و ہفتاد و یکی کرد جلوس — در ہشت صد و ہفت کرد عالم پدرود

حمیدہ بانو بیگم کے ہاں تیمور سے سات بچے ہوئے لیکن وہ سب کے سب شیرخواری ہی کی حالت میں مر مر گئے۔ کوئی بال بچہ نہ تہا جس سے اسکا دل بہلتا۔ اب شب و روز کتب بینی کے علاوہ اسکا اور کوئی مشغلہ نہ تہا۔ جس طرح تیمور کے ہاں اسنے کبھی پردہ نہیں کیا۔ اسی طرح اب بھی نہایت آزادی کے ساتھ باغوں جنگلوں بازاروں میں گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کرتی پہرتی تھی اگرچہ بعض بعض خود غرض لوگوں نے میراں شاہ سے دق ہو کر حمیدہ کے پاس متواتر اور پے در پے بہت سی عرضیاں بایں مضمون بہیجیں کہ اگر آپ اسطرف تشریف لانیکا ارادہ کریں تو ہم میراں شاہ کو قتل کر کے تیمور کی وصیت کے موافق آپ کو سلطانہ بنائیں مگر اس فیاض خاتون نے سلطنت کی پروا نہ کی اور انہیں صاف لکھدیا کہ اگر دین و دنیا کی سرخروئی چاہتے ہو تو اپنے آقا کے حکم پر گردن

تسلیم خم کئے رہو۔
الغرض حمیدہ بانو بیگم ایک عرصہ تک طفلس میں قیام پذیر رہی اور وہاں کا خوشنما منظر اسے بہت بھلا معلوم ہوا اسنے مصمم ارادہ کر لیا کہ حیات مستعار کا باقیماندہ حصہ یہیں صرف کردوں اور اسی خیال سے اُس نے کوہ کری پر اپنی بساست کے لئے ایک نہایت عالیشان اور خوشنما عمارت تیار کرائی لیکن خوبی قسمت سے یہاں چند ایسے پیچیدہ معاملات پیش آئے اور بہت سی ایسی نفرت انگیز خبروں نے حمیدہ کی نسبت اشاعت پائی جس سے حمیدہ بانو کو مجبوراً طفلس چھوڑ کر باطوم جانا پڑا اور پھر وہاں بھی لوگوں نے اُسے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ انجام کار یہ باطوم میں بھی نہ ٹھہری اور سیدھی قسطنطنیہ روانہ ہوگئی اور یہیں اُسکا انتقال ہوا۔
جسوقت حمیدہ بانو بیگم کا انتقال ہوا تو زر و جواہر اور نقد و جنس سے اُسکے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ البتہ ایک بہت بڑا کتب خانہ جو مرتے وقت وقف کر گئی تھی۔ اس کتب خانہ میں مختلف علوم کی پونے دو لاکھ کتابیں موجود تھیں جن میں زیادہ تعداد اُن کتابوں کی تھی جو علم ہیئت اور تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مشہور اور فیاض خاتون کی عمر کا پیمانہ پورے ۷۰ برس کی مدت میں لبریز ہو کر چھلک گیا تین روز کے معمولی بخار نے اُس جفاکش کی قابل رحم روح کو اپنی قاتل مٹھی میں دبا لیا اور اُسے مجبوراً راہ فنا کا رستہ طے کرنا پڑا۔
اگرچہ ہمارے اس تذکرے سے میراں شاہ کے قصہ کو کسی خاص قسم کا تعلق نہیں ہے لیکن چونکہ اُسکی والدہ کے تذکرہ میں ہماری تاریخ کا بہت کچھ حصہ شامل ہی اس لئے یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ہم اُسکا قصہ درج کرتے ہیں۔ اُسکی ماں کا نام

فخر النساء بیگم

فخر النساء بیگم

تھا جو عربی النسل اور صوبہ سینا کی باشندہ تھی۔ ابھی اُنکی آٹھ سال کی عمر تھی کہ اُسکے والدین نے قاہرہ کے ایک امیر کبیر شہزادہ سے اسکا نکاح کردیا تھا۔ لیکن بالغ ہونے کے بعد اُسنے اپنے شوہر کی نسبت اپنی نامرضی ظاہر کی اور والدین سے کہا کہ میرا دل اس شہزادہ کی صحبت سے نفرت کرتا ہے بہتر ہے کہ مجھے اُس سے علیحدہ کردیا جائے والدین میں سے کسی نے اُس کے اُس خیال کی تائید نہ کی اور یہ مجبوراً وہانسے فرار ہوکر اسکندریہ میں آئی۔ یہاں قاضی کی عدالت میں خاوند کے خلاف دعویٰ کیا۔ اور بڑی مشکل سے آزادی حاصل کی۔ اس کے بعد فخر النساء بیگم نے اپنی مرضی کے موافق ایک خاندانی لفٹنٹ سے نکاح کیا جس سے اس کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے دو تو شیر خواری ہی میں مرگئے لیکن ایک بچہ زندہ رہا ابھی یہ بچہ ہی تھا کہ اس کے باپ کو ایک مہم پر جانے کا اتفاق پڑا چونکہ لفٹنٹ کو اپنے پیارے اور ہونہار بچے سے بیحد محبت تھی لہذا وہ اس جنگ میں اسے بھی اپنے ہمراہ لیگیا یہاں پہنچکر لفٹنٹ تو قتل کیا گیا اور بچہ کا کہیں پتہ نہ لگا۔ فخر النساء کو اس حادثے سے سخت صدمہ پہنچا اور وہ ایک عجیب حالت پریشانی میں پھر اپنے اصل وطن میں آئی اور یہاں سے کراچی۔ کراچی سے حیدرآباد ہوتی ہوئی اور مختلف شہروں سے گذرتی ہوئی ملتان آئی تھوڑے روز ملتان میں قیام پذیر ہوکر لاہور پہنچی اور یہاں سے افغانستان کے شہروں کی طرف روانہ ہوئی۔ گو کسی مورخ نے اس بات کو صاف طور سے بیان نہیں کیا کہ فخر النساء کی تیمور تک کیونکر رسائی ہوئی لیکن یہ بات عربی اور فارسی تاریخوں سے یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ تیموری محل میں داخل ہوئی اور اپنی حسن لیاقت اور بیدار مغزی سے چند ہی روز میں تیمور کی سب سے چاہیتی اور پیاری بیویوں میں شمار کی جانے لگی۔ فخر النساء بیگم کے ہاں تیمور سے تین لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں

میراں شاہ جو تیمور کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا اسی روشن دماغ اور تجربہ کار بیگم کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ بیگم اپنے مذہبی عقائد اور احکامات کی بڑی پابند تھی اسکا عام دستور تھا کہ صبح کی نماز پڑھکر قرآن مجید پڑھا کرتی اور پہر دن آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہاتی یہ خود بھی صوم وصلاۃ کی بڑی پابند تھی اور اُس سے بے انتہا خوش ہوتی تھی جو روزہ نماز کو ہمیشہ پابندی اور قید کے ساتھ ادا کیا کرتا تھا۔
فخر النساء بیگم کی تاریخ زندگی میں یہ بات نہایت قابل تعریف ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمیشہ فیاضانہ اور رحیمانہ برتاؤ برتتی تھی غریبوں کے ساتھ بہت سلوک کرتی اور اکثر اپنے متعلقین اور تیمور کے مصاحبوں کو انعام واکرام سے مالامال کردیتی اس فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے اُسنے عام لوگوں میں ہر دلعزیزی پیدا کرلی تھی اور اپنے بہت سے دوست اور جان نثار بنالئے تھے۔ گو اس بیگم میں بظاہر کوئی ایسی دلفریب ادا اور فطری کرشمہ نہ تھا لیکن اسکی باطنی خوبصورتی وحسن پر تیمور جیسا سنجیدہ اور متین بادشاہ سوجان سے فریفتہ تھا افسوس اس بیگم کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور تیمور کے انتقال کے چند ہی روز بعد یہ بھی انتقال کرگئی۔
جب اس عصمت مآب خاتون کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو اپنے بیٹے میراں شاہ کو وصیت کی کہ بیٹا اگر تیری بہنیں نکاح کرنے پر آمادہ ہوں تو انہیں ان ہی کی مرضی اور طبیعت پر چھوڑ دیجیو ایسا نہ ہو کہ تو انہیں اُن کے خیالات میں پابند کرے اور ان کے منشا کے خلاف جبر سے کام لے اور اگر نکاح پر ان کی آمادگی نہ دیکھے تو کنایۃً بھی اسکا حکم نہ کیجیو میراں شاہ نے اپنی مہربان ماں کی وصیت گوش ہوش سے سُنی اور اُسپر عامل ہونے کا اُسے کافی یقین دلایا۔
امیر تیمور کے بعد میرزا میراں شاہ جو تیمور کا تیسرا لڑکا تھا تخت نشین ہوا یہ شہزادہ ۷۶۹ھ میں فخر النساء بیگم سے پیدا ہوا اور اپنے والد بزرگوار کے عہد زندگی میں اپنی خداداد

عقل اور فطری لیاقت سے فرمانروائے آذربائیجان مقرر ہوا جو اصل میں ہلاکو خاں کا دارالسلطنت تھا مگر چونکہ آذربائجان کی آب وہوا اسے ناموافق آئی اس لئے یہ اپنے چھوٹے لڑکے مرزا ابوبکر کو یہاں چھوڑ کر تبریز چلا گیا۔

جب امیر تیمور کے انتقال کی خبر آذربائجان میں پہنچی تو میرزا ابوبکر نے اپنے والد کے نام خطبہ پڑھا اور اب سب جگہ میرزا میراں شاہ کے سکہ نے رواج پالیا میرزا میراں شاہ عین عالم شباب یعنی ۴۱ سال کی عمر میں انتقال کر گیا اور اسکا مقبرہ تبریز ہی میں بنایا گیا اس کے انتقال کے بعد میرزا سلطان محمد میراں شاہ کا لڑکا سلطان ہوا اور وہ بھی کشت وخون کے بعد قتل کر ڈالا گیا۔

ارجینی یا عظمت النساء بیگم

یہ سلیقہ شعار اور پاکدامن خاتون شہنشاہ تیمور کی تیسری بیگم ہے جو اصل میں ایک برہمنی خاتون تھی جب تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے اور اپنی خونریز تلوار سے بڑی خونخواری کے ساتھ دہلی کو بے چراغ کر کے میلہ ہردوار پر پہنچا ہے تو وہاں سے جو عورتیں قید ہو کر اس کے دربار میں حاضر کی گئیں ان میں ایک ارجینی خاتون بھی تھی جب تیمور ہردوار پہنچا ہے تو وہاں کا میلہ بڑے عروج پر تھا لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا اور ہزاروں پری جمال اور حسین عورتوں کا جمگھٹا موجود تھا اس نے اپنے لشکر کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ تمام ہردوار میں بیرحمی سے قتل عام کا حکم دے دو ہزاروں بیگناہوں کی گردنیں دھڑا دھڑ اڑنے لگیں اور ترکوں کی خونریز تلواروں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ ایک کثیر مخلوق کو قتل کر ڈالا۔

میلہ ہردوار کے قتل عام اور اسکی غارتگری کے بعد جب تیمور وہاں سے لوٹا تو قیدیوں میں ایک ارجینی بھی آئی تیمور کا عام قاعدہ تھا کہ ہر ملک وقوم کی بربادی اور تباہی

کے بعد زندہ گرفتار اُس کے سامنے پیش کئے جاتے تھے اگر ان میں کچھ معذور اور بیگناہ اشخاص ہوتے تو تیمور ان کے ساتھ فیاضانہ اور رحیمانہ برتاؤ برت کر چھوڑ دیتا اور جو مغرور و سرکش ہوتے اُن کی گردنیں مروا ڈالتا اور جو لایق و قابل آدمی ہوتے انہیں اپنی خدمت کے لئے پسند کرتا تھا چنانچہ اس کے عادت و حکم کے بموجب ہر دوار کی گرفتار باندیاں تیمور کے آگے لائی گئیں تو اسکی تجسسانہ نظریں سب سے پیشتر ارجینی پر پڑیں یہ لڑکی اٹھارہ برس کی تھی تیمور نے اسکا اصلی وطن اور حسب و نسب دریافت کیا۔

اس ماہ وش اور پریچہرہ لڑکی نے بڑی بیباکی اور سختی کے لہجہ میں کہا شاہا مجھ بدنصیب کا نام ارجینی ہے میرا مہربان باپ اور ایک عزیز بھائی دو چچا شجاعت کے نمونے دکھاکر اور داد جوانمردی دیکر تیری خونخوار لشکر کے ہاتھ سے قتل کئے گئے مجھ بدنصیب کا اصلی وطن بنارس ہے اور بلحاظ مذہب ایک معزز خاندان برہمن سے ہوں میں نے بنارس کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے اور مجھے سنسکرت میں کامل مہارت حاصل ہی۔

تیمور ارجینی کی یہ بیباکانہ تقریر سُنکر بہت خوش ہوا۔ پوچھا کیا تیری شادی ہوگئی ہے ارجینی نے پہلے تو شرم کی وجہ سے گردن نیچی کرلی پھر نہایت باریک آواز میں جواب دیا کہ نہیں۔ اُسنے فوراً حکم دیا کہ اُسے شاہی حرم سرا میں داخل کرو۔

محل میں داخل ہوتے ہی امیر تیمور نے اسے عظمت النسا بیگم کا خطاب عطا کیا۔ اس کے ہاں تین بچے بھی ہوئے جو کم سنی کے زمانہ میں میرزا میران شاہ فرزند تیمور کے مقابلہ میں قتل کرڈالے گئے۔

آسایش بانو بیگم

یہ پاکدامن خاتون شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ کی عزیز پوتی اور شہزادہ محمد بخش کی پیاری بیٹی ہے حسن و جمال کے علاوہ نہایت متین و سنجیدہ اور پرمغز روشن دماغ

تھی۔ شاہجہاں نے خاص اپنے اہتمام سے ایک بوڑھی معلمہ جو رسمی علوم وفنون میں مہارت کامل رکھتی تھی اور جسے مذہبی علوم میں بڑا درک تہا اس کی تعلیم کے لئے مقرر کی تھی۔ آسائش بانو فارسی زبان کے علاوہ ترکی اور عربی خوب بولتی تھی۔ اسکی عصمت وعفت زہدوعبادت فیاضی وسخاوت کی دہوم تمام دارالسلطنت میں مچی ہوئی تھی اسے قرآن شریف حفظ یاد تہا اور اپنی خدمت میں اُن ہی کنیزوں کو رکہنا پسند کرتی تہی جو اکثر قرآن خوانی میں مصروف رہتی تہیں آسایش بانو بیگم کو اگر کچھ کام تہا تو وہ صرف قرآن خوانی کا تہا۔ گویا اُس کا محل شہد کے چھتے کی مانند تہا جو ہر وقت قرآن پڑہنے کی صدا سے گونجتا رہتا تہا عموماً شاہی محل میں آزادی تہی۔ نامور شہزادیاں اور شہنشاہ بیگمیں سب ہتیار بند اور مسلح رہتی تہیں اور چونکہ وہ عین جنگ میں مردوں کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت دیتی تہیں لہذا انہیں قید کرکے نہ رکہا جاتا تہا۔ آسایش بانو بیگم بہی نہایت آزادی کے ساتھ باغوں اور جنگلوں میں گہوڑے پر چڑہکر سیر کیا کرتی تہی۔ اس نے اپنی کنیزوں کا اپنے لئے ایک بہادر باڈی گارڈ بنایا تہا۔ اور ان کے لئے زرق برق زرتار کی خوبصورت اور پُر رعب وردیاں طیار کرادی تہیں۔
جہاں آسایش بانو بیگم جاتی یہ باڈی گارڈ اُس کے ہمراہ ہوتا تہا۔ اسکی تمدنی اور معاشرتی حالت نہایت عمدہ اور نتیجہ خیز تہی ہاں کسی قدر تیز مزاج اور تند خو ضرور تہی لیکن جس قدر درشت مزاج اور تند خو تہی اُسی قدر باپ کی پیاری اور ماں کی لاڈلی تہی بلکہ اسکی طفلانہ حرکتیں ایسی دلکش اور حیرت بخش تہیں کہ محل کی ہر ایک بیگم وہ ایسی ہی پیاری اور عزیز تھی جیسے اپنی حقیقی والدہ کی۔ شاہی حرم سرائے کی شاید ہی کوئی ایسی بیگم ہوگی جو اسے پیار اور محبت سے اپنے پاس نہ رکہتی ہو۔
گو آسایش بانو کو علمی لیاقت جیسی کہ چاہئے حاصل نہ تہی مگر چونکہ اُسکا اکثر وقت علمی اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا تہا اس لئے وہ بغیر اُستاد کی مدد کے بعض

بعض علم کی تھوڑی تھوڑی باتیں سمجھہ جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ باوجود اپنی معمولی قابلیت
کے اکثر بیگمات کی طرز معاشرت پر عالمانہ اعتراض کئے اور جس قدر باتیں خلاف
شریعت محل کی مستورات نے اختیار کرلی تھیں سب کو تدریجاً اُٹھا دیا۔

آسایش بانو بیگم ابھی نوعمر اور کمسن ہی تھی کہ فلک کجرفتار نے اس کے سر پر یہ غضب
ڈہایا کہ اسکی شفقت بھری ماں کو ہمیشہ کے لئے اُس سے جدا کر دیا۔ عالمگیر اپنی اس
بھتیجی سے بہت محبت کرتا تھا اور اس کی تسلی و دلجوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا
جب یہ اولوالعزم شاہزادی سن بلوغ کو پہنچی تو عالمگیر نے خواجہ محمد صالح ولد خواجہ
طاہر نقشبندی کے ساتھ بڑی شان وشوکت اور تزک و احتشام سے اسکی شادی کردی
محمد صالح ایک بڑا بہادر اور شجاع شخص تھا جو ایک مدت تک عالمگیر کی جرار فوج
کا سپہ سالار رہچکا تھا اور جس نے نہایت خونخوار جنگوں اور خوفناک معرکوں میں اپنی
جوانمردی اور بہادری کے جوہر دکھاکر عالمگیر جیسے دلیر اور شجاع بادشاہ کو اپنا فریفتہ
کرلیا تھا محمد صالح اور اسکا ماتحت لشکر اپنی جانبازی اور بہادری میں مشہور تھا یہی
وجہ تھی کہ ہر موقع اور محل پر عالی حوصلہ بادشاہ کے دربار سے مختلف جاگیریں اور نقد
انعام حاصل کرتا تھا۔ اس نے دکن اور گجرات کی خونریز لڑائیوں میں وہ داد شجاعت
دی تھی جسے دیکھکر بڑے بڑے جان نثار اور بہادر لوگ تعجب کرتے تھے علاوہ
ازیں وہ ایک شریف خاندان اور معزز پارٹی کا آدمی تھا۔

عالمگیر نے محمد صالح کی یہ خداداد بہادری اور حسن لیاقت دیکھکر اپنی پیاری بھتیجی آسایش بانو
کی اُس کے ساتھ شادی کردی تھی دوسری جمادی الاخری سہ شنبہ کو اس مبارک
تقریب کا جشن مرتب ہوا اور قاضی عبدالوہاب نے سربلند خاں اور ملا محمد یعقوب وغیرہ
کے سامنے آسایش بانو بیگم کا نکاح محمد صالح سے باندہ دیا شاہی محل میں معمولی خوشی
منائی گئی اور عالمگیر نے محمد صالح کو ایک عربی النسل گھوڑا مع طلائی ساز وسامان

کے اور ایک ہاتھی جس کی پشت پر سونے کی عماری تھی اور معقول جاگیر و منصب عطا کیا۔
شادی کے بعد اس روز کی سامان کی کیفیت جو آسایش بانو بیگم کے وداع کا دن تھا قابل دید اور یادگار روزگار ہے جو جہیز عالمگیر نے آسایش بانو کو دیا تھا اس سے زائد اپنی بیٹیوں کو نہیں دیا تھا ہیں سے اس بات کا پورے طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عالمگیر آسایش بانو بیگم کو کسی طرح اپنی بیٹیوں سے کم نہ سمجھتا تھا۔
آسایش بانو بیگم نے شادی ہوتے ہی شوہر کو ایسا گرویدہ اور مطیع بنالیا تھا کہ وہ بدون اس کے مشورہ اور رائے کے خود کوئی کام ہی نہ کرتا تھا اور ہر بات میں اسکی دلجوئی اور آسایش مدنظر رکھتا تھا اور یہ اس کے اعلیٰ درجہ کے حلم اور پر مغزی و روشن دماغی کا نتیجہ تھا لیکن افسوس موت کے تیز و تند جھکڑ نے اس تر و تازہ اور شاداب پودے کو قبل اس کے کہ خوشہ مراد کی گلچینی سے بہرہ ور ہو کر کچھ لطف دنیا حاصل کرے عین عالم شباب میں پژمردہ کر دیا یعنی یہ حلیم الطبع اور سلیم الفطرت شاہزادی شادی کے بعد کل چھ برس زندہ رہی اور چودھویں ربیع الثانی ۹؎ شلہ ہمیں انتقال کر گئی۔

آغا بیگی

یہ تیز عقل اور روشن دماغ لڑکی میرزا میراں شاہ کی بیٹی اور شہنشاہ تیمور کی پوتی تھی اس کے چال چلن نہایت شریفانہ اور عادات و اخلاق بالکل مہذبانہ تھے اسکی طرز معاشرت ایک نرالی ہی طرز کی تھی اسکی تہذیب میں علوم کی فراوانی نے ایک غیر معمولی تغیر و تبدل پیدا کر دیا تھا یہ بیگم جیسے فطرتاً شوخ اور بیباک تھی ویسے ہی اسے سنجیدگی اور متانت کا حصہ بھی قدرت نے دیدیا تھا۔ اسکا زیادہ وقت

خاموش رہتی تہیں بہلا ممکن تہا کہ آغا بیگی کے سامنے بغیر اس کے دریافت کئے کوئی کچھ بات کہہ سکے۔
آغا بیگی کی فیاضی اور مخیری بہی قابل تعریف تہی اسکا عام قاعدہ تہا کہ شب و روز اپنے ملازموں اور کنیزوں کے ہاتھ غربا اور محتاجوں کو ڈہنڈ وا ڈہنڈ وا کر بلاتی اور ہزار ہا روپیہ خیرات کرتی مسافروں کو اپنی فیاضانہ مہمانی سے ہمیشہ خوش رکہتی اور غربا کی نگرانی اپنا فرض منصبی خیال کرتی الغرض امیر کی طرف سے جس قدر روپیہ اسے ماہانہ ملتا تہا یہ اپنی فیاضی و سخاوت سے سب اسی قسم کے نیک اور خیراتی کاموں میں صرف کرتی تہی اس مہذب اور فیاض خاتون کی شادی سعد وقاص سے ہوئی جو خاندان تیموریہ اور شرفا گورگانیہ میں ایک نہایت ہی شریف اور باوقار شخص تہا امرائے گورگانیہ میں اس سے بڑہکر جامع جمیع صفات اور عالم و فاضل فصیح و بلیغ فیاض و سخی دوسرا کوئی شخص نہ تہا سعد کی لیاقت اور حسن قابلیت کا یہیں سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب آغا بیگی کی عمر اُنیس برس کی ہوئی تو مختلف شہزادوں کی طرف سے صدہا نسبتیں آئیں مگر اس نے سب کو ناپسند کیا لیکن جب سعد نے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے فوراً اُسے منظور کر لیا اور شاہی انتظام خاص سے نہایت شان و شوکت کے ساتھ آغا بیگی کی شادی سعد سے کردیگئی۔
آغا بیگی کی شادی کے بہت تہوڑے عرصہ بعد اُسکا مہربان باپ میرزا میران شاہ عین عالم شباب یعنی اکتالیس برس کی عمر میں لقمہ اجل ہوگیا اس سے جو صدمہ اور جانگزا رنج آغا بیگی کو ہوا قابل بیان اور لائق اظہار نہیں۔ ۸۰۸ھ ہجری میں جبکہ قرہ یوسف ترکمان نے سلطانی سرحدات پر حملہ کیا اور بعض ممالک تیموریہ کو غارتگری اور پامالی سے بالکل معدوم اور نیست و نابود کر دیا تو امیر بسطام نامی جو میرزا شاہرخ ابن شاہ تیمور کی طرف سے قلعہ کا حکمراں تہا

قلعہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور سعد وقاص کی امن و پناہ میں چلا گیا مگر سعد نے کسی شبہ پر اسے فوراً قید کر لیا جب میرزا شاہرخ کو اسکی اطلاع ہوئی تو اوس سے سارے جسم میں غصہ کی آگ بھڑک گئی فوراً سعد کو ایک فرمان بایں مضمون روانہ کیا کہ بسطام کو قید سے رہا کر دیا جائے اور اس سرکشی اور بغاوت انگیزی کی آگ کو یہیں تک رکھا جائے اگر تم نے اس آگ کے بھڑکانے میں کوشش کی تو پھر جو بدترین نتیجہ ایک سرکشی باغی کا ہونا چاہئے وہی تمہارا ہونا ہے۔

میرزا شاہرخ کا جب یہ فرمان سعد کو پہنچا تو اس کے حکم پر گردن تسلیم خم نہیں کی اور اس کے خوف سے بسطام کو اپنے ساتھ لیکر تبریز چلا گیا قرہ یوسف ترکمان جب عراق عجم پر حملہ آور ہوا تو بسطام کو قید سے نجات دی اور ترا کمہ کی ایک جرار اور بہادر فوج کی سرکردگی میں بسطام کے فرزند اخی فرخ نام کو موقع قم کی طرف روانہ کیا تا کہ جسطرح ممکن ہو سکے آغا بیگی کو تبریز میں لے آئے۔

آغا بیگی چونکہ نہایت بیدار مغز اور ہوشیار عورت تھی اور ہر بات میں ہمیشہ نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتی تھی اخی فرخ کے یہاں پہنچتے اور قرہ یوسف کے پیام دینے سے فوراً تاڑ گئی کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ قرہ یوسف نہ صرف اسی کی ننگ و ناموس کا دشمن اور غارتگر ہے بلکہ اُس کے معزز خاندان سے سخت عداوت رکھتا ہے۔

جن دنوں میں آغا بیگی کا باپ میرزا میراں شاہ تبریز کے اطراف وجوانب پر حملہ آور ہوا ہے تو اسی قرہ یوسف نے مقابلہ میں آکر اس کا حملہ روکا ہے اور انجام کار بڑی خونخوار جنگ اور سخت کشت وخوں کے بعد میرزا میراں شاہ قرہ یوسف کے فوج کی خونریز تلوار وں سے قتل کر دیا گیا۔

آغا بیگی نے اس عبرتناک واقعہ کو یاد کر کے کسی قدر پیش و پیش کے بعد جب

اپنے غلاموں اور کنیزوں کو مسلح ہونے کا حکم دیدیا اور خود بھی بدن پر اسلحہ لگاکر آمادہ جنگ و پیکار ہوگئی تھوڑی دیر تک دونوں لشکر خوب داد مردانگی دیتے رہے اور دونوں طرف سے بجز تیروں کی جگر خراش صداؤں کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔

آغا بیگی کو چونکہ اپنے باپ کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک ہونے کا موقع مل چکا تھا اور وہ جنگ کے آثار چڑھاؤ کو بارہا دیکھ چکی تھی نیز اس دشوار گذار گھاٹی میں قدم فرسائی کرنے والے کو جو دقتیں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں اسے وہ بھی بخوبی معلوم کر چکی تہیں لہذا اس نے اپنے مستقل ارادے اور اپنی فراخ حوصلگی سے اس مہم میں وہ کارنمایاں کئے اور جوانمردی و مستعدی کے وہ جوہر دکہائے کہ اخی فرخ اس کے مقابلہ سے عاجز آگیا اور عین میدان جنگ سے بہاگ کہڑا ہوا۔

آغا بیگی نے بڑی پہرتی اور چالاکی سے تمام تراکمہ کو گرفتار کرلیا اور سب کے سر اپنی خون آشام تلوار سے کاٹ کر میرزا شاہرخ کے حضور میں روانہ کردئے میرزا شاہرخ نے آغا بیگی کی اس شجاعانہ بہادری کی بہت تعریف کی اور ایک خوشنودی کا فرمان جس میں آغا بیگی کی نسبت بہت سے تعریفی الفاظ لکہے گئے تہے روانہ کیا تاریخ سے اس بات کا کہیں پتہ چلتا کہ میرزا شاہرخ کے فرمان کا کیا مضمون تہا اور اُس میں کون الفاظ درج تہے لیکن اس سے ضرور ثابت ہوگیا ہے کہ جو فرمان خوشنودی آغا بیگی کی طرف روانہ کیا گیا تہا اس کا عنوان ذیل کے شعر سے مزین تہا ؎ و لو کان النساء بمثل ھذی لفضلت النساء علی الرجال ✤ یعنی اگر آغا بیگی جیسی اور بھی عورتیں شجاع اور بہادر ہوتیں تو ضرور عورتیں مردوں پر فوقیت رکہتیں۔

آرزم بانو

یہ ذہین اور طباع لڑکی سیادت خاں صفوی کی اکلوتی بیٹی تھی جو شاہجہاں کے دربار میں نہایت محترم اور باوقار شخص تہا دربار کے خواص وعوام اسکی حد سے زیادہ عظمت کرتے تہے اور یہ ہمیشہ اپنی فیاضی حوصلہ مندی بلند نظری سے سب کو خوش رکہتا تہا آرزم بانو چونکہ اپنے والدین کی اکلوتی اور چاہیتی بیٹی تہی اسلئے عموماً سیادت خاں کے متعلقین اس سے بیحد محبت کیا کرتے تھے۔

یہ عاقلانہ خاتون علاوہ حسن وجمال اور شرافت ونجابت کے علمی دستگاہ بھی رکہتی تہی اسکی ذہانت طبع اور سنجیدگی ومتانت کی عموماً تمام لوگوں میں دہوم مچ گئی تہی اور تیزی عقل موزونی طبع کی عام شہرت سب میں پھیلی ہوئی تھی۔ سیادت خاں نے ایک بوڑہی شریف زادی کو جسے مذہبی علوم میں کافی دستگاہ حاصل تھی اسکی تعلیم کے لئے مقرر کیا تہا۔ اس نے اپنے ذہن رسا اور تیزی طبیعت سے تہوڑے عرصہ میں مذہب کی ضروری کتابیں پڑہ لیں اور پہر سپاہیانہ فنون کے حاصل کرنے کا شوق ہوا پہلے گہوڑے پر چڑہنا سیکہا اور پہر تیراندازی کی تعلیم پائی۔ یہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ آرزم بانو نے چندروز کی مشق میں تیراندازی میں وہ کمال پیدا کرلیا تہا کہ اس کا نشانہ بہت ہی کم خالی جاتا تہا اور اب وہ قادر اندازی میں اپنا جواب نہ رکہتی تھی۔

جس زمانہ میں شہنشاہ عالمگیر اور داراشکوہ کی دونوں خونخوار لشکروں کا مقابلہ ہوا ہے آرزم بانو داراشکوہ کی فوج میں اپنے باپ سیادت خاں کے ساتھ موجود تہی اور اُس کے پہلو بہ پہلو نہایت بہادری اور آزادی سے عالمگیری فوج پر برابر تیروں کا مینہ برساکر داد جوانمردی دے رہی تھی عالمگیر اس دلیر

اور قابل خاتون کی نسبت مختلف لوگوں سے تعریفی الفاظ سنا کرتا تھا اور اُنکی ذاتی قابلیت اور فطری لیاقت کا شہرہ سُن سُن کر خوش ہوتا تھا اسی اثنا میں اولوالعزم بادشاہ نے اپنے سب سے چھوٹے شاہزادہ محمد کام بخش کی نسبت آرزم بانو کے ورثہ کے پاس بھیجی جسے انہوں نے بدل منظور کرلیا۔

۱۰۹۴ھ ربیع الاول کی ۱۵۔ تاریخ یکشنبہ کا دن اس مبارک تقریب کے لئے منتخب ہوا۔ اس دن کا حشمت انگیز سماں اور زرخیز حالت جس سے عالمگیر شان و شوکت کی خوبصورت تصویر خوب اُبھر کر چمک رہی تھی قابل دید اور یادگار زمانہ چلی آتی ہے تمام شہر کے بازار اعلےٰ پیمانہ پر سجائے گئے تھے۔ غرضکہ شاہزادہ محمد کام بخش اس شان و شوکت اور جاہ و جلال سے شاہی مسجد تک آیا قاضی شیخ الاسلام نے مسجد ہی میں شاہزادہ کا نکاح آرزم بانو سے باندہ دیا اس رات کو تمام قلعہ اور شاہی محل سرا میں معمول سے زیادہ خوشی منائی گئی اور ایک بہت بڑا مسرت انگیز جشن محلوں اور شہر میں قائم کیا گیا تمام فوج اور ساکنین شہر کو عالمگیر کی طرف سے دعوت دیگئی اور چند روز تک تمام سرکاری دفاتر بند رہے۔ درباریوں کو اس خوشی میں بیشمار جاگیریں اور نقد انعامات عطا کئے گئے اور بیش قیمت و فاخر خلعت تقسیم ہوئے غرضکہ جس قدر خوشی اس موقع پر ایک اولوالعزم اور عالیشان بادشاہ منا سکتا ہے وہ عالمگیر بادشاہ نے منائی۔

قریبًا ایک پہر رات گذری ہوگی کہ خود عالمگیر نے اپنے مبارک ہاتھ سے اپنے بختاور اور خوش قسمت فرزند کے سر پر بیش قیمت مروارید کا سہرہ باندھا اور تمام محلوں کے بیگمات کو حکم فرمایا کہ خاص خانہ کی ڈیوڑہی سے لیکر نواب زیب النساء کے محل کی ڈیوڑہی تک دو طرفہ شاہزادہ کی پارکابی میں پاپیادہ جائیں اور

شاہزادہ عالیجاہ کو پہنچا کر واپس آئیں۔
آرزم بانو شادی کے بعد بھی اپنے اُسی قدیم شغل یعنی کتب بینی اور انتظام خانہ داری وغیرہ میں مصروف رہی لیکن وہ جیسی آزاد پہلے تھی اب ویسے آزاد نہیں رہی جنگ کے موقعوں میں شریک ہونے سے اُسے مطلقاً ممانعت کردی گئی گھوڑے پر چڑھکر جنگلوں اور باغوں کی سیر کرنے اور شکار مارنے سے باز رکھی گئی یہ ممانعت اور مزاحمت اگرچہ اُس کے آزادانہ خیالات اور قدیمی پالیسی پر بہت بُرا اثر ڈالنے کو مستعد تھی اور دراصل اگر غور کیا جاتا ہے تو یہ قید آرزم بانو جیسے آزاد اور بہادر عورت کے لئے نہایت ہی قلق اور صدمہ کا باعث ہوسکتی ہے مگر آفریں تجھے کہ تیری متانت اور سنجیدگی نے اس خیال کو بالکل مٹا دیا اور ان ناگوار اور مکروہ باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کرکے اپنے شوہر کی اطاعت سے سر مو تجاوز نہیں کیا اور مرتے دم تک اُسے خوش رکھا۔

آرام جاں بیگم

یہ عصمت پناہ اور شریف خاتون نورالدین جہانگیر بادشاہ کی پانچویں بیگم ہے جو ظاہری خوبصورتی اور حسن و جمال کے علاوہ عقل و دانش اور حزم و احتیاط کا کافی سرمایہ رکھتی تھی۔ گو جہانگیر کی اور بیگمات بھی طباع اور خوش فکر تھیں مگر جو جودت ذہن اور موزونی طبع اس بیگم نے پائی تھی دوسری کو نصیب نہ تھی گویا اسکی فطرت میں ہر چیز کی قابلیت کا مادہ قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا آرام جاں کی تاریخی زندگی پر بحث کرتے اور اُس کے اطوار و عادات کو قلمبند کرتے وقت ایک لائق اور بے غرض مورخ اس قدر ضرور کہہ سکتا ہے کہ وہ متلون المزاج اور تند خو عورت تھی لیکن جب وہ آرام جاں کے تمام حیرت بخش کوائف اور دلکش

حالات پر ایک غائر نظر ڈالتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ کہنے پر فوراً مجبور ہو جاتا ہی
کہ آرام جاں ہمیشہ اس کوشش میں لگی رہتی تہی کہ جہاں تک بن پڑے اپنے
غضبناک جوشوں اور نفسانی خواہشوں کو اپنا مطیع بنائے چنانچہ انجام کار ایسا
ہی ہوا کہ وہ سخت سے سخت اور نہایت کڑی بات کا بہی بڑے سکون و وقار
کے ساتھ تحمل کرتی تہی اور جس متانت و سنجیدگی سے جواب دیتی تھی ہر شخص کے
نزدیک عظمت کے قابل ہوتا تہا۔

آرام جاں بیگم نے اگرچہ کوئی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تہی اور لڑکپن کے زمانہ میں
معمولی نوشت و خواند کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں کیا تہا لیکن وہ اپنے ذہن رسا
اور خداداد قابلیت کی وجہ سے بعض وہ وہ علمی مطالب حل کر دیتی تہی کہ سننے
والے دنگ رہجاتے تہے۔ اس کی طبیعت بچپن ہی سے لطیفہ سنجی اور مذاق پسندی
کی طرف مائل تھی لیکن یہ مذاق بے نتیجہ اور فضول نہ ہوتا تہا بلکہ اُس میں ایک
نہ ایک ایسی کارآمد اور مفید بات ضرور مرکوز ہوتی تہی جس سے سننے والے
فوراً کوئی نہ کوئی عمدہ اور نیا نتیجہ نکال لیتے تھے۔

یہ ایک عجیب و غریب بات ہے کہ آرام جاں باوجودیکہ علمی سرمایہ بہت ہی کم
رکھتی تہی لیکن پہر بہی اپنی زور طبیعت سے مالاینحل شعراء بے تامل کے ساتہہ
حل کر دیتی تہی اسے فن شاعری سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی تہی کہ فارسی
اشعار میں الفاظ کی بندش و صحیح مگر محاورات محض غلط ہوتے تہے بلکہ اکثر الفاظ
بے محل بھی استعمال کئے جاتے تہے۔ آرام جاں نے فارسی زبان میں بہت
سے اشعار اور قصائد موزوں کئے لیکن افسوس کہ وہ کتابوں کی جلدوں
ہی میں چہپے رہے اور کسی مورخ کے ہاتھوں میں نہ پڑے۔

جہانگیر کی سوانح عمری پر نظر ڈالنے سے یہ امر عموماً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسکی تمام

بیگمیں شاعرہ اور بذلہ سنج تہیں اور خود جہانگیر بھی کبھی کبھی شعر کے موزوں کرنے میں طبع آزمائی کیا کرتا تہا لیکن جو حاضر جوابی اور بے ساختگی اور فی البدیہ شعر کہنے میں آرام جان بیگم کو ملکہ حاصل تہا وہ کسی اور بیگم کو تو کیا خود جہانگیر کو بھی میسر نہ تہا اس فن میں اُس نے وہ قدرت اور دستگاہ پیدا کرلی تہی کہ بڑے بڑے ایرانی شعرا اُس کے اشعار سُن کر حیرت کے پتلے بنجاتے تہے۔

ہم اس پاکدامن اور روشن دماغ خاتون کی شاعری اور حاضر جوابی کا نمونہ ذیل کی ایک نتیجہ خیز حکایت میں ناظرین کو دکہانا چاہتے ہیں جس سے اسکی طبیعت اور ساتھہ ہی عقل کا بھی کافی طور پر موازنہ ہوسکتا ہے۔

جہانگیر کو شطرنج کھیلنے کا بہت شوق تہا اور قریباً محل کی تمام بیگمات اس فن میں بڑی مہارت رکہتی تہی لیکن جس قدر آرام جان بیگم کو اس میں تجربہ اور درک تہا اُس قدر کسی اور کو نہ تہا گو وہ اسے ایک فضول اور نہایت بے نتیجہ کام تصور کرتی تہی اور اکثر کہا بہی کرتی تہی کہ جس کام کا محنت کے بعد کچھ نتیجہ نہ نکلے وہ شطرنج بازی ہے مگر پہر بہی اُسکا میلان طبع اس طرف بہت تہا اس نے شطرنج میں رفتہ رفتہ وہ مشق بڑہائی تہی کہ جہانگیر جیسا چال کا مشہور شخص اکثر اوقات اس سے مات کہا جاتا تہا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جہانگیر ایک شہزادہ سے شطرنج کھیلنے بیٹہا اور یہ بازی مقرر ہوئی کہ جو شخص مات کہاجائے وہ اپنی ایک بیگم بازی لیجانے والے کی نذر کردے چنانچہ دونوں نے اس پر معاہدہ کیا اور ایک تحریری اقرارنامہ بھی مرتب ہوگیا شطرنج بچہائی گئی اور جانبین سے چالیں چلنی شروع ہوگئیں اتفاق سے شہزادہ کی بازی نے اچہا نقشہ جمایا اور جہانگیر کو بازی کی طرف سے مایوسی ہوگئی اور ایک غیر معمولی تذبذب سے اس کے چہرہ پر تغیر کے آثار آہستہ آہستہ

دوڑنے لگے لیکن جہانگیر نے اپنی متذبذب حالت کو درست کرنے اور چہرہ کے آثار تغیر کو مٹانے میں بہت کوشش کی۔
جہانگیر کو جب کوئی چال چلتے بن نہ پڑی اور مات کا خیال اُس کے دل میں آیا تو فوراً شطرنج کا نقشہ اسی طرح چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور محل میں داخل ہو کر سب سے پیشتر نور جہاں بیگم کے پاس آیا جو نہایت ہی طباع اور ذہین عورت تھی نور جہاں بیگم جہانگیر کا چہرہ دیکھتے ہی تاڑ گئی کہ آج بادشاہ کسی بڑی الجھن میں پھنس گیا ہے خدا خیر کرے یہ مایوسی اور مایوسی کے ساتھ برہمی خالی از علت نہیں ہے نور جہاں ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ جہانگیر اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے پرائیوٹ کمرہ میں لے گیا اور معمولی فراج پرسی کے بعد گویا ہوا کہ بیگم! آج ہم نے ایک شہزادہ سے شطرنج کھیلی اور باہم یہ شرط قائم ہوئی کہ مات کھا جانے والا اپنی ایک بیگم بازی لیجانے والے کی نذر کرے چنانچہ کئی چالوں کے بعد اب ایسا موقع آپڑا ہے جس میں مجھے اپنی مات ہو جانے کا خیال ہے خیال کیسا یقین ہے یا تو کوئی ایسی چال بتاؤ کہ میں بازی ہاتھ سے نہ دوں یا یہ مشورہ دو کہ کون سی بیگم کی مفارقت گوارا کروں۔
نور جہاں بیگم باوجود اُس دانش و عقل کے جسے نہ صرف جہانگیر ہی بلکہ دربار کے اکثر لوگ تسلیم کر چکے تھے جہانگیر کی یہ وحشت انگیز تقریر سن کر پہلے تو تحیر انگیز صورت میں اُس کے مُنہ کو تکنے لگی پھر نیچی گردن کر کے خاموش ہو گئی اس تحیر اور بیجا خاموشی نے جہانگیر کو کسی قدر آشفتہ کر دیا اور آناً فاناً میں اُسکی آشفتگی غیظ و غضب سے بدلنے لگی۔ نور جہاں بیگم نے اگرچہ اپنی تذبذبانہ حالت کے چھپانے میں بہت کوشش کی مگر بدقسمتی سے اس میں کامیاب نہیں ہوئی اور تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد دست بستہ عرض کرنے لگی کہ حضور میں اعتراضاً خاموش و متحیر

نہیں ہوئی بلکہ میری نخوت کی وجہ یہ ہے کہ جس چال کی بابت آپ نے ذکر کیا ہے مطلق میری سمجھ میں نہیں آئی گویا آپ کی پہلی بات کا جواب اسوقت بھی مجھے جن نہیں آتا اور میں اس میں محض قاصر ہوں نور جہاں کی اس لجاجت آمیز تقریر نے جہانگیر کی آشفتگی اور برہمی کو کسی قدر فرو کر دیا اور اب وہ نرمی کے لہجہ میں بولا کہ اچھا میری دوسری بات کا جواب ؟ نور جہاں بیگم نے نہایت برجستگی کے ساتھ فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

تو بادشاہ جہانی جہاں مدست مدہ　　　که بادشاہ جہاں را جہاں بکار آمد

"یعنی اے بادشاہ تو ایک جہان کا شہنشاہ ہے اور جب یہ ہے تو نور جہاں کو اپنی صحبت سے جدا نہ کر کیونکہ بادشاہ جہان کے لئے جہاں مفید اور کار آمد ہوتا ہے" جہانگیر کی جب نور جہاں سے مطلب براری نہیں ہوئی تو اس نے اپنی دوسری بیوی حیات النساء بیگم کو اپنے پرایوٹ کمرہ میں بلایا اور گذشتہ واقعہ سر تا پا بیان کیا اس بیگم نے بھی پہلی بات کا تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن دوسرے سوال کے متعلق بیساختہ یہ شعر پڑھ دیا۔

جہاں خوش است ولیکن حیات مے باید　　　اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید

"یعنی اس بات کا خوشی سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جہان نہایت پر لطف جولانگاہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حیات کی جسے زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے سخت ضرورت ہے کیونکہ جب حیات ہی نہ ہو تو جہان کس کام آسکتا ہے"

حیات النساء بیگم نے اپنے اس شعر میں نور جہاں پر ایک سخت تعریض اور عاقلانہ حملہ کیا ہے گویا اسنے جہانگیر کو ان الفاظ میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ میں تسلیم کرتی ہوں کہ نور جہاں۔ بادشاہ کے عیش و عشرت کا عمدہ ذریعہ ہے لیکن بغیر حیات النساء کے اسکی تکمیل ناممکن بلکہ سخت محال ہے بادشاہ خیال

کر سکتے ہیں کہ اگر آپ کے پاس حیات نہیں تو نور جہاں کس کام آسکتی ہے گویا حضور کی عیش وعشرت کی روح حیات النسا ہی ہے۔
جہانگیر شاہ کے دل میں ان دونوں بیگموں کے جواب نے ایک عجیب تغیر اور انقلاب پیدا کر دیا اور اب اُس نے ایک قلماقنی کو فنات النساء کے حاضر ہونے کا حکم دیا اس نے حاضر ہوتے ہی برجستہ ایک ایسا شعر پڑھا کہ دونوں بیگموں کے مضمون کو مات کر دیا وہ کہتی ہے ؎

جہان وحیات ایں ہمہ بیوفاست　　　فنا را نگہدار کاخر فناست

"یعنی جہان اور حیات سب بے مروت اور نا وفا ہیں فنا کو آنکھ سے اوجھل نہ کرنا چاہئے کیونکہ آخر کار فنا ہی ہے" اس شعر میں فنات النسا بیگم نے جس امر کی طرف اشارہ کیا ہے اور جس نتیجہ خیز مضمون کو ثابت کیا ہے درحقیقت عظمت کے قابل ہے۔ جہانگیر نے اب اپنی چوتھی بیگم یعنی آرام جاں کو بلایا اس عاقلہ اور ذہین بیگم نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور وہ کونسی چال ہے جس سے آپ کو امید مات ہے آپ میرے سامنے وہ نقشہ پیش کیجئے ممکن ہے کہ لونڈی کے خیال میں کوئی چال آجائے جہانگیر نے وہی نقشہ آرام جان کے روبرو جمایا اس ہوشیار اور طباع بیگم نے تھوڑی سی غور و فکر کے بعد نہایت آزادانہ مزاجی کی شان سے یہ پر جوش شعر پڑھا ؎

شاہا دو رخ بدہ و دل آرام را مدہ　　　پیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

جہانگیر اس شعر کو سنکر پھڑک گیا اور ایک نہایت ہی بے اختیارانہ جوش اور بیتابانہ مسرت سے اُس کا چہرہ چمکنے لگا۔ آرام جاں کی پُر مغزی اور روشن دماغی پر عش عش کرتا ہوا اپنی کامیابی پر خوش خوش محل سے برآمد ہوا اور جو چالیں آرام جان نے بتائی تھیں چلکر بازی لے گیا۔ اس حکایت سے آرام جان کی اُس حیرت انگیز

ذہانت اور خداداد قابلیت کا ثبوت ملتا ہے جس نے زبردستی تعریفی الفاظ اپنے
لئے مورخین کی زبان و قلم سے مخصوص کرا لئے ہیں۔

ارجمند بانو یا ممتاز محل

یہ نامور شہزادی شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ کی پہلی بیگم ہے جس کے
دلفریب حسن اور خداداد عقل کا شہرہ دور دور پہنچا ہوا تہا۔ اس بیگم نے نہ صرف
اپنے حسن و خوبصورتی سے شاہجہاں جیسے نامور اولوالعزم بادشاہ کا دل
اپنی طرف مائل کر لیا تہا بلکہ اپنی خداداد قابلیت اپنی عالی دماغی اپنی بلند
خیالی اپنی قابل تعریف تہذیب و شائستگی اپنے شریفانہ اخلاق اپنے مہذبانہ
عادات سے اُسے اپنا شیفتہ اور شیدا بنا لیا تہا۔ گو شاہجہاں کی دوسری بیگم
عزیز النسا بہی بڑی لایق و قابل عورت تہی اور حسن و خوبی میں اپنا جواب نہیں رکہتی
تہی لیکن جو بات قدرت نے اس بیگم کی فطرت میں رکہدی تھی وہ کچھ اور ہی
دلچسپی لئے ہوئے تہی یہی وجہ تہی کہ بادشاہ اس سے کمال درجہ الفت رکھتا
اُسے اس کی ایک دم کی جدائی بہی ناگوار اور شاق ہوتی تہی اور بغیر اُس کے
تمام عیش بے لطف اور مکدر ہو جاتے تہے۔

یہ بیگم نہایت طباع اور تیز عقل تھی اور اپنی قابلیت کو ہمیشہ موقع ہی پر استعمال
میں لاتی تہی اس نے صرف اپنی بلند نظری اور عالی حوصلگی سے بہت سی نہایت
سخت اور کڑی مہمیں سر کیں اور بادشاہ کو ہمیشہ اپنے نتیجہ خیز مشوروں اور
اصابت رائے سے ہر خطرناک موقع سے بچاتی رہی۔

ایک فاضل مورخ کا بیان ہے کہ ارجمند بانو ایک نہایت ہی خلیق اور بامروت
خاتون تھی اس کا مزاج دہیما اور متحمل تہا جبتک کسی بات کے موافق و مخالف

دونوں پہلوؤں کو غائر نظر سے نہ دیکھ لیتی اور ہر موقع کے اُتار چڑہاؤ پر خیال نہ دوڑا لیتی نیز آیندہ اور گذشتہ نتائج کو اچھی طرح نہ سمجھ لیتی تھی کبھی اُس پر عمل کرنے کے لئے طیار ہی نہوتی تھی اُسکی زندگی کے جسقدر حالات تاریخی صفحوں میں دیکھے جاتے ہیں سب حیرت بخش اور نتیجہ خیز ہیں جن سے ہر ایک شخص بڑی بڑی زبردست نصیحتیں نکال سکتا ہے۔

ارجمند بانو کے عام حالات زندگی پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نہایت ہی فخیر اور فیاض عورت تھی اور اُسے دوسری شہنشاہ بیگموں اور نامور شہزادیوں کی طرح جو آرایش و زینت اور آشایش و راحت پر دلدادہ ہیں بظاہر دنیا کی مال و دولت اور تجمل و ثروت کے حاصل کرنے کی طمع نہ تھی وہ ایک نہایت دانشمندی اور ہر قسم کے اعلی درجہ کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ قابلیتوں کا مجموعہ تھی۔ یہ ایک اور مشہور بات ہے کہ ارجمند بانو کی دولتمندی اور حشمت و تمول کی بہ نسبت اُسکی عالی حوصلگی سیرچشمی اور مناسب فیاضی بہت بڑہی ہوئی تھی۔ اسے ہر وقت عام طور سے مخلوق خدا کو نفع پہنچانے اور ہر قسم کے آفت زدوں کے ساتھہ ہمدردی اور رحیمانہ برتاؤ کرنے اور اون کے دکھہ درد میں شریک ہونے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ تہا اُسکی زندگانی کے نہایت تاباں اور درخشاں سطح پر بجز دلاویز انکساری اور متواضعانہ اخلاق کے دوسری چیز بہت کم نظر آتی ہے۔

اس فیاض اور مخیر بیگم کا عام طور پر یہ خیال تہا کہ اسکی دولت و حشمت اسکی ذاتی ضرورتوں کی نسبت اپنے ماتحت محتاجوں اور بے سرمایہ عزیزوں کی حاجات و ضروریات کے رفع کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے یہی وجہ تھی کہ اُس نے اپنے اس خیال کے مطابق اپنے دولت و مال کا بہت بڑا حصہ ایسے

اشخاص کی ضروریات و حاجات میں بیدریغ صرف کر دیا تھا جو ہمیشہ اس کی ماتحتی میں رہتے تھے۔

یہ ارجمند بانو کی فیاضی اور سخاوت ہی کا نتیجہ ہے کہ جس قدر اس کے متعلقین اور ماتحت تھے سب ان سے خوش تھے اور انہوں نے اپنی اور اپنے متعلقین کی پیاری اور بیش قیمت جانیں اس کے اختیار میں دیدی تھیں کہ اگر اس کا اشارہ ہو تو انہیں ایک پل میں قربان کر ڈالیں گویا یہ لوگ ارجمند بانو کے فوری حکم پر اپنی جانوں کو صرف اُسکی خوشی کے لئے نیست ومعدوم کرنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

ارجمند بانو کی فیاضی اور سیر چشمی کی ایک ادنےٰ مثال یہ ہے کہ جب شاہجہاں تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا ہے اور ہندوستان کی حکومت کی باگ اپنے ہاتھہ میں لی ہے تو اُس نے اس خوشی کی تقریب میں ایک بہت بڑا جشن کیا اور اُس میں ارجمند بانو کو علاوہ بیش قیمت جڑاؤ زیور اور طلائی ساز وسامان کے دو لاکھ اشرفیاں نقد عطا فرمائیں اس سیر چشم بیگم نے اپنی فیاضانہ ہمت اور فراخ حوصلگی سے اُسی وقت تمام اشرفیاں اور سامان بادشاہ پر سے نچھاور کر کے فقرا اور محتاجوں کو دیدیا بلکہ کچھ اور اپنا ذاتی روپیہ بھی اس موقع پر بیدریغ صرف کر ڈالا۔ اسی طرح جب شاہجہاں نے تخت نشینی کے دوسرے سال یعنی ۱۰۳۸ھ ہجری میں اپنے دار الخلافہ میں جشن کا رنگ جمایا اور فوجی افسروں کے دل بڑہانے کے لئے اُنہیں کثیر التعداد رقمیں بطور انعام عطا فرمائیں اور منصب داروں عہدہ داروں کے عہدوں میں نمایاں ترقی کی تو ارجمند بانو کو پچاس لاکھ روپیہ نقد عطا کیا اس دریا دل اور حوصلہ مند بیگم نے اسی جلسہ میں اُس روپیہ کو بھی صرف کر دیا اور اپنی ضرورت کے لئے ایک پائی بھی اپنے پاس بچا نہ رکھی۔ غرضکہ ارجمند بانو کی تاریخ زندگی سے بہت سی ایسی مثالیں

مستنبط ہوسکتی ہیں جو اسی فیاضی اور رحمدلی و ہمدردی میں لاجواب و بے نظیر ثابت کرتی ہیں۔

کو شاہجہاں۔ اپنی اس پیاری اور چاہیتی بیگم کو سولہ لاکھ روپیہ سالانہ دیا کرتا تھا اور کل خرچ شاہی اخراجات سے اٹھتا تھا لیکن جب اس عالی حوصلہ عورت کا انتقال ہوا ہے تو اس کے خزانہ میں کچھ بھی باقی نہ تھا اس نے سب اپنی زندگی میں نیک اور خیراتی کاموں میں صرف کر دیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ارجمند بانو میں اس قسم کی بہت سی باتیں تھیں جو جبرًا اور زبردستی شاہجہاں کا دل اسکی طرف متوجہ کرتی تھیں۔ شاہجہاں جیسا مدمغ اور ہوشیار بادشاہ ارجمند بانو کو اپنی خوش قسمتی کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے اس سے کمال درجہ الفت رکھتا تھا۔

یہ جمیل بیگم محل میں بآزادی رہتی تھی۔ شاہجہاں کو اسکی کسی بات پر کبھی شبہ نہیں ہوا نہ اسکی طرز معاشرت اور چال چلن نے اسے اپنے اوپر کبھی مشتبہ ہونے دیا یہ شاعری اور فضول طبع آزمائی سے الطبع نافر تھی مگر تاہم قدما کے نتیجہ خیز اشعار اکثر اوقات پڑھا کرتی اور اون کے کلام سے دلچسپی لیا کرتی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ارجمند بانو اپنے محل میں بیٹھی ہوئی کسی دیوان کا مطالعہ کر رہی تھی اور ایک نہایت ہی نتیجہ خیز شعر اس کے زیر نظر تھا جس کا پر اثر اور جوشیلا مضمون اس کے دماغ میں بجلی کی طرح کوند رہا تھا انجام کار اس میں ایک فوری جوش پیدا ہوگیا اور وہ بار بار اپنی اس خودی اور محویت کی حالت میں اس شعر کو چلا چلا کر پڑھنے لگی اتنے ہی میں کہیں شاہجہاں بھی محل میں چلا آیا اور اسے اپنی پیاری اور چاہیتی بیگم کی یہ خلاف معمول حالت دیکھکر تعجب ہوا اول تو وہ کچھ عرصہ تک ارجمند بانو کے پس پشت کھڑا رہا لیکن جب زیادہ دیر

ہوگئی تو قریب جاکر بولا کہ بیگم! کیا تم اس دیوان میں کوئی نہایت ہی وجد انگیز مضامین دیکھ رہی ہو ارجمند بانو کی روح پر اُس کے جوشیلے جذبات اور محویت واز خود رفتگی کچھ ایسی محیط ہوگئی تھی کہ اُسے یہ بھی خبر نہ ہوئی مجھے کون پیچھے کھڑا پکار رہا ہے۔ شاہجہاں کو جب بجز سکوت اور تحیر انگیز خاموشی کے کوئی جواب نہ ملا تو وہ اپنی قابل تعریف متانت و سنجیدگی سے خاموش کھڑا رہا اور دوبارہ آواز نہ دی۔ لیکن جوں ہی ارجمند بانو کی خودی اور از خود رفتگی کم ہوئی اور اس نے شاہجہاں کو سامنے کھڑا دیکھا فوراً چونک پڑی اور یکایک سر سے پانوں تک تھر تھر کانپنے لگی۔

شاہجہاں کا ایسے وقت میں دفعتہً اور یکایک چلا آنا نہ صرف تعجب آمیز اور حیرت انگیز ہی تھا بلکہ سراسر ضابطے کے خلاف اور بے قاعدہ تھا کیونکہ اُس کا عام دستور تھا کہ بغیر اطلاع کبھی محل میں قدم نہ رکھتا تھا بلکہ کچھ عرصہ پیشتر خواجہ سرا آکر آگاہی دیتا تھا کہ آج شہنشاہ عالیجاہ فلاں وقت محل میں جلوہ فرما ہونگے تمام محل سرا میں اسی قاعدہ کا عام طور پر استعمال کیا جاتا تھا پھر اس معمولی عادت کے برخلاف شاہجہاں کا یکایک بے اطلاع یوں آکر کھڑا ہونا ضرور ایک چونکا دینے والا خیال تھا ارجمند بانو بادشاہ کو دیکھتے ہی کانپ اٹھی کہ یہ کیسی اچانک آفت آئی اور یہ خلاف قاعدگی بادشاہ نے کیوں برتی فوراً مودب کھڑی ہوگئی اور داب شاہی کی پابند ہوکر عرض کیا۔ کیا حضور کچھ زیادہ دیر سے جلوہ فرما ہیں فدوی معافی کی خواستگار ہے مجھے کتاب کے مطالعہ نے اس درجہ بیخود اور محو کر دیا کہ حضور کی تشریف آوری کی خبر تک نہ ہوئی۔ بیگم کی یہ دلاویز اور متین تقریر سُنکر اولوالعزم بادشاہ نے اُسکی دلجوئی کی اور نہایت تسلی بخش لہجہ میں کہا کہ بیگم! تم مجھے معاف کرو گی کہ میں اس وقت تمہارے عزیز

اور بیش قیمت وقت میں بے قاعدہ خلل انداز ہوا چونکہ کئی روز سے تمہیں دیکھا نہیں تہا اس لئے اسوقت تمہارے اشتیاق ملاقات نے ایسا ازخود رفتہ کیا کہ اطلاع دینے کا بھی خیال نہ رہا۔ یہ کہکر بادشاہ نے سفید موتیوں کا کنٹھا ارجمند بانو کے گلے میں ڈال دیا اور مسکرا کر کہا میں تمہیں تمہارے اس جوش کی مبارکباد دیتا ہوں چند منٹ کے بعد شاہجہاں نے ایک عجیب مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے اِدہر اُدہر کی باتیں کیں اور ارجمند بانو کی خانہ داری کی انتظامیہ کیفیت کی بابتہ چند سوالات پیش کئے جن کے کافی وشافی جواب پاکر بہت خوش ہوا اور تہوڑی دیر کے بعد شاد وشاد رخصت ہوا۔ ارجمند بانو اپنی ذاتی قابلیت اور فطری لیاقت کے قالب میں ڈہال ڈہال کر دن بہر میں سینکڑوں اس قسم کی باتیں کیا کرتی تہی جن سے شاہجہاں جیسا سنجیدہ بادشاہ پہڑک پہڑک اُٹہتا تہا یہ جو بات منہ سے نکالتی تہی یا جو فعل اس کے اعضا سے صادر ہوتے تہے اُن میں کوئی نہ کوئی ایسی دلچسپ بات ضرور مخفی ہوتی تہی کہ سننے والے کو کیفیت آجاتی تہی۔ اکثر بڑے بڑے قابل امرا سے خط وکتابت رکہتی تہی اور نہایت ارادانہ طریق سے ہربات پر عالمانہ بحث کیا کرتی تہی۔

یہ ایک بڑے ہی تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ارجمند بانو باوجود اس حشمت وشوکت اور عظمت وجلال کے کہ ایک نہایت مقتدر اور باجاہ وجلال اولوالعزم شہنشاہ کی چاہیتی اور عزیز بیگم تہی اور ایک بڑے شہر کی نہایت معقول اور کثیر التعداد آمدنی اُسکی ماہانہ تنخواہ میں سلطنت کی طرف سے ملتی تہی بہت بڑی جفاکش اور محنتی اور منتظم عورت تہی اس کا اکثر وقت یا تو انتظام خانہ داری میں صرف ہوا کرتا تہا یا اپنے معزز شوہر کی خدمت اور شہزادوں شہزادیوں کی تربیت اور خبر گیری میں۔

ارجمند بانو کی تاریخ زندگی میں جو سب سے زیادہ قابل تعریف اور وقعت و قدر کے لایق چیز ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقہ کاموں کا سرانجام اس جرأت اور آزادی کے ساتھہ دیتی تہی جس کی نظیر ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم ملسکتی ہے اس کے جس قدر ماتحت اور متعلقین تہے سب اوس سے خوش تہے اس کا برتاؤ ان کے ساتھہ ہمیشہ فیاضانہ اور رحیمانہ ہوا کرتا تہا خیراتی کاموں میں بڑا حوصلہ کرتی تہی اور مسافروں نوواردوں کی خاطر داری اور دلجوئی میں دقیقہ اٹہا نرکہتی تہی اکثر اپنے خواصوں اور شاہجہاں کے مصاحبوں کو انعام واکرام سے مالامال کردیا کرتی تہی۔

ممتاز محل کی لائف کے متعلق بہت سے ایسے غلط افسانے اور بے سروپا باتیں بہی شہرت پکڑ گئی ہیں جن کی ذرا بہی اصلیت نہیں اور زیادہ تر تعجب اور تعجب کے ساتہہ افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض مشہور اور نامور مصنفوں نے بلاتحقیق وتدقیق ان بیہودہ اور بے سروپا غلط واقعات کو اپنی نامکمل تالیفات میں نقل بہی کردیا ہے جس سے عامیوں اور ان پڑہ لوگوں کو اپنے غلط اور فضول خیالات کے لئے ایک کافی تائید ہوگئی ہے خصوصاً بعض یورپین مصنفوں نے انہیں بالکل سچے واقعات خیال کرکے اس قسم کے مضحکات کا خوب ہی خاکہ اڑایا ہے لیکن یہ بات افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ اکثر مسیحی مصنفوں کے تصنیفات میں یہ ایک عام قاعدہ رواج پاگیا ہے کہ جب وہ تاریخی حالات اور گذشتہ ناموروں کے واقعات لکہنے بیٹہتے ہیں تو اصلی اور بناوٹی حالات میں ذرا بہی تمیز نہیں کرسکتے بلکہ بعض بعض مقامات پر اپنی تصنیف میں مشاہیر اور فرمانروایان اسلام پر نہایت ہی بیجا اور بزدلانہ لفظی حملے کرجاتے ہیں جو ایک صریح کذب اور غلطی بلکہ افترا پردازی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس عالمگیر غلطی کی بظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں یا تو یہ کہ وہ نہایت ضعیف خبروں پر اعتماد کرکے تحقیق و تدقیق کے سلسلوں اور ذرائع کو بالکل استعمال میں نہیں لاتے حالانکہ ایک قابل اور نصفت پسند مورخ کا فرض منصبی ہے کہ وہ واقعات کی یہاں تک چھان بین کرے کہ صحیح غلط سے جھوٹ باطل سے بالکل الگ اور جدا ہو جائے اور دودہ کا دودہ پانی کا پانی رہجائے یا یہ وجہ ہے کہ عیسائی مورخین تعصب و ہٹ دھرمی کی پٹی آنکھوں سے باندھکر اناپ شناپ جو جی میں آتا ہے بے سوچے سمجھے گھڑ گھڑا کر وہ رہ گھسیٹتے ہیں اور عوام کو دھوکا دینے کی غرض سے مصنوعی اور بناوٹی افواہوں کو جدت کا لباس پہنا کر شائع کرنے پر راضی ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات یہی متعصب مورخین اصلی اور واقعی حالات میں ایسی بیہودہ تراش خراش اور ذلیل کاٹ چھانٹ کرتے ہیں کہ سچے اور صداقت آمیز واقعات کی خوبصورت اور روشن تصویر نہایت تاریک اور بدنما ہو جاتی ہے۔

یہ امر عام طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جو شخص اپنی ذاتی خوبیوں اور فطری جوہروں کی شہرت اور نیکنامی حاصل کرتا ہے اُسکی نسبت اچھی بُری دونوں طرح کی سینکڑوں روایتیں خود بخود اشاعت پا جاتی ہیں بلکہ بہت سی بے سند اور سرتاپا لغو باتیں زبان زد خاص و عام ہونے لگتی ہیں اور بعض حالتوں میں اس قدر شہرت پکڑ جاتی ہیں کہ محتاط اور متین لوگوں کو بھی ان کے متواتر ہونے کا شک ہو جاتا ہے لیکن جب اُن روایات کے بارہ میں کامل غور اور نہایت کوشش کے ساتھ چھان بین کیجاتی ہے تو اُن کی بنا صرف بیجا توہمات اور فضول خیالات پر معلوم ہوتی ہے۔

یہ بات نہ صرف ارجمند بانو ہی میں منحصر ہے بلکہ ہم بہت سی اس قسم کی بے سروپا

غلط روایتیں اور جعلی وجھوٹے افسانے بڑے بڑے اولوالعزم اور مسلم بادشاہوں کی نسبت لکھے دیکھتے اور تمام ہندوستان میں ناواقفوں کی زبان سے سنتے ہیں مثلاً جلال الدین اکبر بادشاہ کے پرشوکت دربار کی نسبت نیز ملا دوپیازہ اور بیربل کی بابت ہم بہت سی وہ نامناسب اور قابل تنفر باتیں بڑی شہرت کے ساتھ سنتے ہیں جنکا پتہ کسی نامور اور معتبر تاریخ سے نہیں لگتا لیکن جب ہم دوسری تاریخی دنیا کی طرف متوجہ ہوتے اور بعض نامحققوں کے تالیفات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان ہی بے تحقیق لطائف اور من گھڑت روایات کو اس کے دربار کے واقعی حالات لکھے پاتے ہیں کیونکہ انہوں نے بڑی آب وتاب اور زور طبیعت سے ان ہی نامعتبر اور بے سند باتوں کو واقعی حالات کے قوالب میں ڈہال کر دکھایا ہے۔ حالانکہ تواریخ معتبرہ میں ان بے اصل افسانوں کی کچھ بھی اصلیت نہیں پائی جاتی۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ نویسی ایک نہایت ہی مشکل اور وقت آفرین کام ہے کسی امر کو تحقیق کرنا اور مذہبی تعصب قومی طرفداری کو بالائے طاق رکھکر کسی شخص کی نسبت منصفانہ اور آزادانہ خیالات کا ظاہر کرنا درحقیقت بڑی اور نصفت پسندی کی بات ہے۔ جن لوگوں نے تحقیق کی دشوار گذار گھاٹیوں میں قدم فرسائی کی ہے یا ان سنگلاخ پہاڑوں اور صحراؤں کو قلم اور دماغ کی رہبری سے کچھ طے کیا ہے وہی خوب اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس راستہ چلنے والے کو قدم قدم پر کیسی کیسی ناگوار ٹھوکریں اور ناقابل برداشت لغزشیں کھانا پڑتی ہیں اور پھر بھی منزل مقصود پر بمشکل رسائی حاصل ہوتی ہے۔

الغرض ارجمند بانو کی سوانح عمری پر جہاں تک نظر ڈالی جاتی ہے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی حوصلہ مند عالی دماغ بلند خیال پہلے درجہ کی

فیاض اور انتہا سے زیادہ تیز عقل عصمت مآب خوش قسمت خاتون تھی۔ اُس کے
ہاں شاہجہاں سے چودہ اولادیں ہوئیں جن میں سے سات اولادیں تو کمسنی اور
نوعمری میں مر گئیں اور سات باقی رہیں جو اولادیں ارجمند بانو کے سامنے زندہ
رہی تھیں اُن میں چار نامور شہزادے اور تین شہزادیاں تھیں جن کے نام مفصلہ
ذیل ہیں۔ داراشکوہ۔ شاہ شجاع۔ میرزا مراد۔ اورنگ زیب عالمگیر۔ انجمن آرا گیتی آرا
جہاں آرا۔ یہ کل اولادیں ممتاز محل کی اکیس سال کی خانہ داری کا نتیجہ ہیں۔
اس پاکدامن اور جمیل بیگم نے ۱۰۴۰ھ ہجری میں سترہویں ذیقعدہ کو وفات پائی۔ اس
کے انتقال کی وجہ مورخین نے اس طرح بیان کی ہے کہ آئندہ میں خفیف سا بخار ہوا
اور دو تین روز کے عرصہ میں اُس نے اس قدر شدت پکڑی کہ ممتاز محل نہایت
ضعیف اور ناتواں ہوگئی ہر چند کہ شاہی طبیب جو نہایت ہی حاذق اور تجربہ کار
تھے ساعت بساعت ازالہ مرض کی تدابیر میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کوشش
کر رہے تھے مگر خدا کی شان کہ کوئی دوا موثر اور مفید نہ پڑی۔ اسی اثنا میں ممتاز محل
کو دردزہ شروع ہوا اور وقتاً فوقتاً شدت پکڑتا گیا جس نے اُسے کامل طور پر
یقین دلایا کہ تو اب زندہ نہ رہے گی۔ مرض کی شدت دل کی بیتابی بڑھتی
جاتی ہے اگر یہی حال رہا تو بس تھوڑی ہی دیر کی اور مہمان ہے اور آخر کار یہی
ہوا جب اُسے اپنی طبیعت پر گھبراہٹ کا بہت زیادہ اثر محسوس ہوا تو شاہجہاں
سے مخاطب ہو کر ایک نہایت ہی افسردہ اور غم آلود لہجہ میں بولی "خدا کا شکر ہے
کہ جس عادت اور طبیعت پر میں پیدا کی گئی تھی اُسی میں میں نے اپنی ساری
عمر نہایت خوش اسلوبی اور عمدگی سے بسر کی خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میرے
دل میں کوئی تمنا کوئی آرزو باقی نہیں رہی میں دیکھتی ہوں کہ جب لوگ ذرا بھی
دولتمند ہو جاتے ہیں تو اون کے ولولے اور حوصلے نئی نئی تمناؤں اور مسلسل

آرزوؤں کا شوق دلانے لگتے ہیں مگر افسوس اُس وقت یہ ہرگز معلوم نہیں ہوسکتا کہ ان بے انتہا شوقوں کا نتیجہ کیا نکلے گا دنیا کے وسیع منظر اور زمین کی فراخ سطح پر ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں ایسی خوشنما اور عظیم الشان عمارتیں نظر پڑیں گی جن کی ایک ایک افتادہ اور خاک آلود اینٹ کے نیچے صدہا شوق حسرتوں سے گلے مل ملکر ہمیشہ رویا کرتے اور پُرنم آنکھوں سے آنسوؤں بہایا کرتے ہیں۔ کیا ان عالیشان عمارتوں کے بانیوں کو معلوم تہا کہ ہمارے شوق یوں خاک میں ملائے جائیں گے نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان کی اس وقت کی اقبالمندی ایسی حسرت نصیبی کے خیالات کو نامبارک اور منحوس سمجھتی تھی۔ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہیں اس قسم کی حیرتناک مقامات پر افسوس آتا ہو مگر جب ان عمارات کو ان کے بانیوں کی آنکھ سے دیکھیں تو معلوم ہو کہ ان میں کس قدر آرزوں کا خون ہو رہا ہے اور کتنی تمنائیں تڑپ رہی ہیں گو یہ باتیں عام طور پر تمام لوگوں میں دیکھی جاتی ہیں جن سے شاید اس وقت سے پیشتر میں ہی مستثنیٰ ہوسکتی ہوں مگر خدا شاہد ہے کہ میں اس قسم کے نامبارک جوش اور ولولہ سے ہمیشہ محترز رہی۔ میں ہمیشہ سونے روپے اور جواہرات کے ڈہیروں میں رہی لیکن بخدا ان کی وقعت و عظمت میرے دل میں خاک کے تودوں اور سنگریزوں کے ڈہیروں سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی۔ گو میرا تاریک اور مکدر نفس ہر وقت دنیا اور اُس کے قابل تنفر تجمل کی طرف مائل رہتا تاہم میں نے اپنی قلب کی پرزور طاقت سے اُسے حتی الامکان روکا۔ اس میں ذرا بہی شبہ نہیں کہ ہمارے گناہ ایسے بیشمار ہیں کہ اگر ہمیں قرآن مجید میں خداوندی بشارت نہ سنائی جاتی تو کبھی فلاح و نجات کی صورت ہی نظر نہ آتی"

ممتاز محل نے اپنی اس گفتگو کا سلسلہ یہیں تک پہنچایا تہا کہ اب اُسکی زبان رُک

گئی اور سینہ میں رک رک کر تنفس آنے لگا اور ساتھہ ہی اُسکی آنکھوں سے مسلسل اور پے درپے آنسو بہنے لگے پرشکن پیشانی سے برابر پسینہ کی قطرات ٹپک ٹپک کر زرتار دوپٹہ کو بھگو رہے تہے اور ابروؤں کی کجی صاف بتا رہی تہی کہ اس وقت یہ بیگم بڑی ناگوار تکلیف کی برداشت کر رہی ہے۔ شاہجہاں نے اُسکی یہ جگرخراش باتیں اور جانگزا حالت دیکھکر ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھہ آہ سرد کھینچی اور ہر چند کہ اُس نے نہایت سنجیدگی کی حالت میں اپنی طبیعت پر جبر کر کے بہت بڑے ضبط سے کام لیا لیکن پہر بہی اُسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے وہ اپنے تئیں سنبھال کر کہنے لگا بیگم صاحبہ یوں تو جو خدا کی مرضی ہے ہو کر رہے گی لیکن تم مطمئن رہو کہ تمہارے مرض کی حالت ایسی خراب نہیں ہے جس سے زندگی کی طرف سے مایوسی ہو جائے بیشک اسوقت زیادہ کرب ہے جس کی وجہ سے یہ گھبراہٹ اور گھبراہٹ کے ساتھہ بیچینی ہے مگر تمہیں ہرگز ایسا ناامید نہ ہونا چاہئے خدا پر نظر رکھو جو طبیب تمہارے معالج ہیں وہ ایک نامور اور مشہور طبیب ہیں انشاءاللہ اب صحت ہوئی جاتی ہے۔

شاہجہاں یہ تسکین آمیز الفاظ زبان پر لا رہا تہا اور ممتاز محل کو اپنی طبیعت پر آنا فانا مرض کا غلبہ معلوم ہوتا جاتا تہا۔ اسمیں شک نہیں کہ مرض زیادہ شدید اور مہلک تہا لیکن اس انتہا سے زیادہ بیچینی اور گھبراہٹ کی بڑی وجہ یہ تہی کہ اس کا دل زندگی کی طرف سے بالکل ٹوٹ گیا تہا اور اسوقت اسکی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کا خون ہو چکا تہا۔

اب جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے ممتاز محل کے درد اور تکلیف میں ترقی ہوتی جاتی ہے اُس کے چہرہ کا رنگ فوری تغیرات سے لحظہ بلحظہ اور دم بدم بدلتا جاتا ہے اور پے درپے تشویشناک آثار برسنے لگتے ہیں۔ انجام کار

پورے اور کامل دس پہر کی دردزہ نے اس محترم اور معزز بیگم کو راہ فنا کا راستہ طے کرنے پر مجبور کیا۔ نہایت جانگداز صدمے اور جگر خراش تکلیف کے بعد لڑکی پیدا ہوئی اور اسی وقت اس مظلوم کی جان عنصری قفس سے پھڑک کر نکل گئی۔
یہ ایک ایسا اندوہ ناک اور غم افزا صدمہ تھا جس نے اولوالعزم اور ضابطہ بادشاہ کی کمر کو دوہرا کر دیا محل کی تمام پردہ نشین مستورات اور حاضر باشان دربار آٹھ آٹھ آنسو روتے اور دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتے تھے تمام محل سرا میں ایک عظیم الشان کہرام مچگیا تھا اور ہر شخص کی افسردہ اور غم آلود چہرہ پر آنسوؤں کی ندیاں بہ رہی تھیں لیکن اب یہ سب باتیں بالکل بے سود تھیں ممتاز محل کی تجہیز و تکفین کی گئی اور اُسے اس کے اصلی اور قدیم ٹھکانے پہنچا یا گیا۔
اس جانکاہ واقعے اور جگر سوز حادثہ سے شاہجہاں کے قلب کو بہت بڑا صدمہ پہنچا اُس نے اپنی اس ہمدم دیرینہ اور محرم قدیمہ کی تعزیت کی رسم ایک غیر معمولی عرصہ تک قائم رکھی اب اُسے ممتاز محل کی ادنےٰ ادنےٰ بات پر رقت کرنا اور گھڑیوں تک پُرنم آنکھوں سے سیل اشک بہانا کوئی بات ہی نہ تھی۔
اس نے اپنی مرحوم و مغفور بیگم کے انتقال کے بعد رنگین کپڑے پہننے چھوڑ دیئے اور ہر قسم کی عطریات اور خوشبویوں کا استعمال میں لانا موقوف کر دیا جواہرات کا پہننا ہمیشہ کے لئے حرام کر لیا جشن سالانہ اور ایام جلوس جو خود بادشاہ اور تمام شاہی درباریوں کے لئے بہت بڑی خوشی اور کامیابی کے ایام ہوتے تھے اب صرف برائے نام باقی رہ گئے شاہجہاں ان مبارک اور خوشی کے موقعوں میں نغمہ اور سرود کے مسرت انگیز صداؤں اور موسیقی خیز آوازوں کو جو اندوہ و غم کے نقوش مٹانے میں کافی اثر رکھتے ہیں نوحہ و ماتم کی صدائیں تصور کرتا تھا۔

شاہجہاں کی بقیہ زندگی میں کوئی ایسا موقع بہت کم گذرتا تھا جس میں ممتاز محل کی یاد اُسے نہ ستاتی تھی جب اُسکی خوبصورت اور دلفریب تصویر کا بادشاہ کے مرأۃ خیال میں عکس پڑتا شاہجہاں زار قطار رونے لگتا اور ایک نہایت ہی عالم سوز اور پر درد آہ کھینچ کر اس زمزمہ سے زبان کو آشنا کرتا۔ بیت

زندگی بہر دیدن یار است
یار چوں نیست زندگی عار ست

درحقیقت ممتاز محل کے اس حادثہ نے شاہجہاں جیسے خوشدل اور متین بادشاہ کو غم کا پتلہ اور حیرت کی تصویر بنا دیا تھا۔ اُسکی زندگی کا مزہ بالکل کرکرا ہوگیا تھا اور سارا عیش ونشاط کدورت وغم سے بدل گیا تھا۔ وہ بارہا کہا کرتا تھا کہ ممتاز محل دنیا سے کیا اُٹھی سلطان کی لذت اُٹھ گئی بلکہ زندگی کا مزہ ہی جاتا رہا گویا وہ میری تمام شادمانیاں اور خوشیاں اپنے حسرت نصیب ارمانوں کی طرح کفن میں لپیٹ کر ساتھ لیتی گئی۔ میرے سارے عیش ونشاط اُس دلبر غمگسار کے دیدار بغیر خاک میں مل گئے اور اب مجھے کسی خوشی کے حاصل ہونے کی کبھی امید نہیں ہوسکتی۔

جب ممتاز محل کا انتقال ہوا ہے تو لوگوں کا گمان تھا کہ اُس کے خزانہ سے بیشمار زر وجواہر اور کثیر التعداد روپیہ برآمد ہوگا لیکن جب اُس مرحوم کے خزانہ اور توشک خانہ کو دیکھا گیا تو بجز ایک کرور روپیہ نقد کے اور کچھ نہ نکلا دریافت سے معلوم ہوا کہ اس فیاض اور حوصلہ مند خاتون نے تمام زر وجواہر محتاجوں کی مہماں نوازی اور تنگدستوں کی حاجات برآری میں صرف کر دیا جس قدر تنخواہ اسے سلطنت سے ملتی تھی وہ سب خیراتی کاموں میں صرف ہوتی تھی۔

ممتاز محل کی دو لڑکیاں اُس کے انتقال سے پیشتر ہی وفات پاگئی تھیں اور

اب صرف چار شہزادے اور ایک شہزادی بیگم نام اس کے بعد زندہ رہی تہیں شاہجہاں نے ممتاز محل کی وصیت کے مطابق اس کے تمام خانگی سامان اور ایک کرور روپیہ کے دو حصہ کئے ایک حصہ تو بادشاہ بیگم کے تفویض کیا جو سب سے بڑی شہزادی تہی اور جس کا مشہور نام جہاں آرا بیگم تہا اور دوسرا حصہ چاروں شہزادوں پر علی السویہ تقسیم کر دیا۔

شاہجہاں نے اس بیگم کے مزار پر ایک نہایت عالیشان قبہ اور عظیم الشان عمارت اسکی یادگار میں بنوائی جس کا نام روضہ تاج محل رکہا گیا اور جواب تاج بی بی کے روضہ کے ساتھ شہرت رکہتا ہے۔ یہ تحیر انگیز عمارت مکرمت خاں کے اہتمام سے پورے بارہ سال کی مدت میں پچاس لاکھ روپیہ کے صرف سے طیار ہوئی تہی۔ شاہجہاں نے اس کے مصارف اور خرچ کے لئے چند گاؤں اور وہ تمام دکانیں جو اس کے اطراف میں موجود تہیں اور کچھ اب بہی ہیں مقرر کردی تہیں جن کی سالانہ آمدنی دو لاکھ روپیہ سے زیادہ تہی اس باشان وشوکت عمارت کی مثال آج تمام دنیا کی وسیع سطح پر ڈہونڈہے نہیں ملتی یہ ایک ایسا دلکش اور پرفضا مقام ہے جسکی خوبی اور صفائی کے اظہار سے ہماری زبان وقلم دونوں عاجز ہیں۔

امتہ الحبیب

یہ معزز اور شریف خاتون محمد معظم شاہ عالم بہادر غازی بادشاہ بن عالمگیر کی عزیز اور چاہیتی بیگم ہے اس پری تمثال اور حسین بیگم کی دلگیر صورت اور زاہد فریب حسن وخوبی کی شہرت دور دور تھی۔ اس لائق اور عاقل بیگم میں حسن وجمال کے علاوہ بہت سی ایسی خصوصیتیں اور قابل تعریف باتیں

پائی جاتی تھیں جن کی وجہ سے تاریخی صفحات اب تک روشن اور منور
دکھائی دیتے ہیں اور جنہوں نے تمام مورخین سے اس کے لئے بہت
سے تعریفی الفاظ مخصوص کرا لئے ہیں۔ فطرت نے اُسے ہر بات میں وہ
قابلیت عطا کی تھی جس کی مثال ایشیائی دنیا بالخصوص مشرقی حصوں
میں بہت مشکل سے پائی جاتی ہے۔
مورخین کا بیان ہے کہ گو شاہ عالم غازی کی فتوحات کی وسعت کچھ کم
وسعت نہ تھی مگر پھر بھی اس کے فتوحات نے عالمگیر کے فتوحات کے
پر سطح زمین پر ہاتھ پاؤں نہیں پھیلائے تھے تاہم جس بے جگری اور
بہادری سے اس نے فتوحات حاصل کی ہیں وہ عالمگیری فتوحات سے
زیادہ سخت اور شدید ہیں اور یہ سب کچھ صرف امتہ الحبیب کی حیرت ناک
کوششوں اور اسکی بہادرانہ کارروائیوں کا نتیجہ تھا حقیقت میں یہ بیگم
شاہ عالم کے بہت کام آئی اور اس نے ہر خطرناک اور پر خوف مقام
میں اپنے معزز شوہر کا نہایت وفاداری اور جان نثاری سے ساتھ دیا
اور ہر موقع پر اس کی ترقی میں جان لڑا دی۔ شاہ عالم اگرچہ خود بھی زبردست
اور اپنی ہٹ کا پورا اور مستقل ارادہ کا شخص تھا اور ہر ایک کام خوب سوچ
سمجھکر کیا کرتا تھا مگر پھر بھی اپنے ہر ایک خیال اور پولیٹکل معاملات میں
امتہ الحبیب کی رائے کو ضرور شریک کر لیا کرتا تھا۔
امتہ الحبیب کے دلچسپ واقعات میں ایک بہت بڑی اور قابل ذکر صفت
یہ تھی کہ اپنے ملازموں کو ہمیشہ خوش رکھتی تھی اور ادنےٰ ادنےٰ
سے کام پر ہزارہا روپیہ نقد اور لاکھوں کی جاگیریں انعام میں دلا دیتی تھی
ایک لائق اور حکومت کے بہی خواہ مصاحب کو دم بھر میں دولتمند او

مالدار بنا دینا اُس کے آگے کوئی بات ہی نہ تھی شاہ عالم کے تمام مصاحبین و خواص یہاں تک کہ وزرا اور ارکان سلطنت سب اس سے خوش تھے اور اس کی بات بات پر جان قربان کرنے کے لئے ہمیشہ مستعدی اور آمادگی ظاہر کرتے تھے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ شجاع اور بہادر ہوتا ہے اُس میں رحم اور رقت ذرا کم ہوتی ہے بلکہ اسکی پالیسی ابتداہی سے تیز اور خونخوار ہوا کرتی ہے لیکن امتہ الحبیب کی خلقت و فطرت اس کے بالکل خلاف اور نہایت متعائر تھی وہ اپنے ادنےٰ درجہ کے ملازمین کو اپنے بچوں کی طرح پرورش کیا کرتی اور جب کوئی ایسا وقت آپڑتا جس میں انہیں مایوسی اور ناامیدی ہوجاتی تو یہ ہرایک کی بڑی شائستگی کے ساتھ دلجوئی کرتی اور تسلی آمیز الفاظ میں ڈھارس بندہاتی تھی۔

گو شاہ عالم کی دوسری بیگم مہر پرور حسن وجمال اور عقل و دانش میں امتہ الحبیب سے کسی طرح کم نہ تھی مگر جو خاص خاص باتیں قدرت کے نازک اور فیاض ہاتھوں نے امتہ الحبیب کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں اون میں مہر پرور کبھی اسکی برابری نہیں کرسکتی تھی۔ بیشک مہر پرور حسین تھی فیاض تھی پر مغز اور ہوشیار تھی حوصلہ مند اور عالی ہمت تھی اپنی خداداد قابلیت اپنی فصیح البیانی اپنی شائستگی اپنی تہذیب میں بے نظیر تھی۔ یہ سب باتیں تھیں مگر جو چیز شاہ عالم کی روح تھی یعنی بہادری اور شجاعت وہ اس میں نہ تھی یہ وصف امتہ الحبیب میں بطرز احسن پایا جاتا تھا اور اسی وجہ سے شاہ عالم بہادر جس کی پالیسی بچپن ہی سے تیز اور خونخوار تھی اس بہادر خاتون کی ہر ادا پر جان دیتا اور بات بات پر قربان

ہوتا تہا اور اسی لئے وہ زیادہ تر ایک تاریخی منظر سمجھی گئی تہی۔
یہ ایک عجب اتفاق کی بات ہے کہ ہمارے تذکرہ کی دونوں ہیروین یعنے امتہ الحبیب یا حمیدہ بانو بیگم محل شاہ امیر تیمور اور امتہ الحبیب محل شاہ عالم نہ صرف نام ہی میں شرکت رکہتی ہیں بلکہ اکثر اوصاف و اخلاق میں ایک دوسری کی قدم بقدم دیکہی جاتی ہیں۔ ایک منصف اور بیغرض مورخ جب ان دونوں نامور اور ممتاز بیگموں کی تاریخی زندگی پر نصفت پسند نظر ڈالے گا تو دونوں کو طرز معاشرت اور اخلاقی خیالات تمدنی اور علمی ترقیوں میں برابر اور یکساں پائے گا جیسی حمیدہ بانو بیگم ایک پاکباز اور باعصمت خاتون تہی ویسی ہی یہ بیگم بہی نہایت پاکدامن اور عفت مآب عورت تہی جس طرح اُس نے اپنی جوانمردی اور بیمثل شجاعت سے تیمور جیسے قہرناک اور سنجیدہ بادشاہ کو اپنا فریفتہ اور شیدا بنا لیا تہا نیز اپنی بیجگری اور جانبازی سے کئی سخت اور کڑی مہمیں خود سر کی تہیں اسی طرح اس جانباز اور بہادر بیگم نے اپنے معزز خاوند کی ترقی میں کئی خطرناک معرکوں میں جان لڑا دی تھی جس طرح وہ زرہ بکتر پہن کر اور اسلحہ سے آراستہ ہوکر فوج کی کمان کرتی اور خود دشمن کے مقابلہ کے لئے میدان میں جاتی تہی اسی طرح یہ عصمت پناہ خاتون مردوں کی ہیئت میں مسلح ہوکر مخالف کے عظیم الشان اور خونخوار لشکر پر نہایت زبردستی اور بیرحمی سے حملہ آور ہوتی علیٰ ہذالقیاس جیسے حمیدہ بانو کا علمی فیاضی میں تمام محل سرا کی بیگمات سے رتبہ بڑہا ہوا تہا اور اُسکا علمی مذاق معمولی مذاق نہ تہا ویسے ہی اس معزز خاتون کی علمی ترقی کو بہت بڑا عروج تہا جس طرح حمیدہ بانو نفاست پسندی اور بلند خیالی اور حوصلہ مندی میں اوروں سے مستثنےٰ تہی اسی طرح امتہ الحبیب ان باتوں میں شاہی بیگمات

سے زیادہ ممتاز تھی۔ مجھے ان دونوں نامور بیگموں کے موازنہ کے ذکر میں
ایک ایسے واقعہ کے قلمبند کرنے کی ضرورت ہے جس سے امتہ الحبیب
کی بہادرانہ کوششوں کا کافی ثبوت ملتا ہے اور میں ناظرین تذکرہ کو دکھانا
چاہتا ہوں کہ حسن بیجگری اور بہادری سے امتہ الحبیب نے صرف ایک مہم
سرکی ہے وہ حمیدہ بانو کی چند مہموں سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ
ہے کہ وہ تاریخی منظر میں عام دلچسپی اور نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی
ہے نیز اس واقعہ سے امتہ الحبیب کی عقلمندی اور بیمثال تحمل اور ہمت و
استقلال کا بھی ثبوت ہوتا ہے اور وہ واقعہ میدان جاجوکی جنگ ہے۔
اکبر آباد سے قریبًا سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر ایک نہایت وسیع اور
فراخ میدان ہے جسے جاجو کہتے ہیں اس مقام پر ۱۸۔ ربیع الاول سنہ گیارہ
سو انیس میں محمد اعظم شاہ اور شاہ عالم بہادر کے دو خونخوار لشکروں کا بڑی
خونریزی اور سفاکی کے ساتھ مقابلہ ہوا۔
محمد اعظم شاہ اور شاہ عالم بہادر دونوں سوتیلے بھائی تھے عالمگیر بادشاہ
نے اپنی حالت زندگی ہی میں نہ صرف ان ہی دونوں شہزادوں کو بلکہ اپنی
تمام اولاد کو مختلف ملک تقسیم کر دیئے تھے بلکہ خاص اپنے قلم سے اس مضمون
کا ایک وصیت نامہ بھی مرتب کر دیا تھا اور اس سے اُس نیک نیت اور
بیدار مغز بادشاہ کی صرف یہ غرض تھی کہ میرے انتقال کے بعد شہزادوں میں
کوئی اس قسم کی نزاع نہ اُٹھ کھڑی ہو جس میں ہزارہا بندگان خدا کی نہایت
بیدردی اور بیرحمی سے خونریزی کیجائے اور ان کے باہمی تنازعہ سے صدہا
بیگناہ مسلمان کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالی جائیں مگر افسوس عالمگیر کی
اس آرزو کا اُس کے جانشینوں کی باہمی خانہ جنگیوں اور سفاکیوں نے

بڑی بیباکی اور دلیری سے خون کر دیا گیا اور اُس کی اس دلی تمنا کو بالکل
خاک میں ملا دیا گیا - اور اسکی اس دلی تمنا کو بالکل خاک میں ملا دیا گیا -
الغرض محمد اعظم نے ایک بڑے خونخوار اور جرار لشکر کے ساتھہ دکھن سے جنبش
کی اور شاہ عالم بہادر کے سلطنت کے جلتے ہوئے چراغ کو اپنے تیز فوجی
ہوا سے بجھانے کی فکر میں یلغار کرتا ہوا گوالیار کے قریب آ پہنچا اس وقت
اسکی اردلی میں پیدلوں کے علاوہ پچاس ہزار نہایت خونخوار اور بہادر سوار
تھے جن پر اسے ہر طرح سے کافی بھروسہ تہا - شاہ عالم بہادر کو جب خبر پہنچی
کہ محمد اعظم شاہ ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھہ چلا آرہا ہے تو اُسنے امۃ الحبیب
کی رائے اور مشورہ سے پہر بہی یہ انسانیت برتی کہ ایک خط جو اصل میں
خود امۃ الحبیب نے اپنے ہاتہہ سے لکہا تہا اُس کے پاس بہیجا چونکہ وہ خط
امۃ الحبیب کی ذہانت اور پُر مغزی کے اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے نیز اُس سے اُسکی
قابلیت اور لیاقت کا کافی طور پر ثبوت ہوسکتا ہے اس لئے ہم ناظرین کتاب
کی دلچسپی کے لئے بجنسہ نقل کرتے ہیں - وہو ہذا

عزیز من سلمہٗ

تمہیں معلوم ہے کہ حضرت جنت آشیانی سلطان المعظم مرحوم و مغفور نے خاص اپنی
قلم مبارک سے ایک وصیت نامہ مرتب فرمایا تہا جس کی منشا کے مطابق ہمیں
اور تمہیں ملک تقسیم کئے گئے دکن کے چھ عظیم الشان اور بازیب و زینت صوبوں
میں سے تمہیں چار صوبے مع صوبہ احمد آباد کے عطا ہوئے جو اسوقت تک
تمہارے قبض و تصرف میں ہیں مگر بڑی حیرت کی بات ہے کہ تمہارا حریص
اور طامع نفس ان زرخیز اور حشمت انگیز صوبوں پر بہی قناعت نہ کرسکا اور
زیادہ طلبی نے تمہاری یہاں تک نوبت پہنچائی کہ اپنے ایک نہایت قدیم

خیر خواہ بھائی کے خون میں اپنے گھوڑے کے سم بھگونے اور مسلمانوں کی خونریزی سے زمین ترکرنے کو بہادری سمجھنے لگے گو تمہارے یہ غلط اصول اور مغرورانہ اسلوب کوئی نتیجہ نہیں رکھتے تاہم اگر تم چاہتے ہو تو میں ایک دو صوبہ اور اپنی طرف سے تمہاری نذر کرسکتا ہوں کیونکہ میں اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ میری تمہاری اس ذلیل وحقیر نزاع میں ہزارہا مسلمانوں کی خونریزی کیجائے اور ایک کثیر التعدا د خدا کی مخلوق بہادران لشکر کی خونخوار تلواروں سے معدوم اور نیست و نابود کردی جائے میں کافی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک بیگناہ مسلمان کی خونریزی کے قصاص میں اگر ایک عظیم الشان شہر کی آبادی بھی وبید یجائے تو بھی اُس کے خون کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ پس ہم تم کو چاہئے کہ والد ماجد کی وصیت پر نہایت سرگرمی اور کوشش کے ساتھ عمل کریں اور خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی چیز پر بدل راضی ہوجائیں اور جہانتک بن پڑے فتنہ وفساد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے بجھانے میں سعی کریں۔ اگر تمہاری زیادہ طلبی اور ناانصافی تمہیں اسی پر مجبور کرتی ہے اور تمہاری رگوں میں شجاعت وبہادری کا خون دوڑ رہا ہے تو اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں کہ میں اور تم بنفس واحد کسی معین میدان میں مقابلہ کرکے قسمت آزمائی کرلیں ہم میں اور تم میں تلوار فیصلہ کردیگی اور بیشمار جانیں مفت ضائع ہونے سے بچ جائیں گی۔ مسلمانوں کی خونریزی سے میں کانپ اُٹھتا ہوں اور اسی لئے باصرار کہتا ہوں کہ تم اپنی اس غلط کاری اور نافہمی سے باز آؤ۔

میں حجت تمام کرچکا اور تمہارے جواب آنے تک منتظر رہوں گا۔ فقط

راقم محمد معظم شاہ عالم بہادر ابن شہنشاہ عالمگیر جنت آشیانی۔

جب اعظم شاہ کے پاس اُس کے بڑے بھائی کا یہ نامہ اور پیام پہنچا تو اول

اول وہ نہایت آشفتہ و برہم ہوا اور نہایت حقارت آمیز نظروں سے اولٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر جوں جوں خط کے مضمون پر اُسکی نظر آگے بڑہتی گئی ووں ووں اُس کی برہمی اور آشفتگی غیظ و غضب سے بدلتی گئی - انجام کار وہ خط کو پٹر کر نہایت غضبناک لہجہ میں بول اُٹہا کہ شاید اُس عقل و ہوش باختہ نے گلستان کا بہی مطالعہ نہیں کیا ہے اور اُسکی کوتاہ بین نظر فلاسفر سعدی کے اس مفید اور نتیجہ خیز فقرہ پر نہیں پڑی ہے کہ ''دو پادشاہ در اقلیمے نگنجد و ده درویش در گلیمے بخسپند'' اور پہر اپنے انتہائی غضب اور پر جوش ولولے میں بائیں جانب سے جہٹ تلوار کہینچکر یہ شعر بار بار پڑہنے لگا ؎

چو فردا بر آید بلند آفتاب

من و گرز و میدان و افراسیاب

شاہ عالم بہادر ہنوز اپنے خط کی جواب کا منتظر ہی تہا کہ جاسوسوں نے اطلاع دی کہ محمد اعظم شاہ کی فوج بڑی تیزی کے ساتہہ آگے بڑہی چلی آرہی ہے اُس کا خاص ارادہ ہے کہ دریائے چنبل کو عبور کرکے اُسے اپنے تصرف میں لے آئے یہ خبر شاہ عالم بہادر کو کسی قدر گبہرا دینے والی تہی وہ نہایت متذبذب ہوا کہ میں کیا کروں اگر اعظم شاہ کا حملہ نہیں روکتا اور اُسے اُسی کی حالت پر چہوڑتا ہوں تو اپنے اہل و عیال سمیت قتل ہوتا ہوں اعظم شاہ نہایت بیرحم اور خونریز شخص ہے اُسے مخلوق خدا کے قتل کرنے میں ذرا در نہیں آتا اور وہ مسلمانوں کے خون میں اپنے گہوڑے کے سم بہگونا اچہے سمجہتا ہے اور جو مقابلہ کرتا ہوں اور ناکام رہا تو مرجانا پڑے گا کیونکہ شکست کی حالت میں ایک بہادر حکمراں کا اپنے دار الخلافہ میں رہنا بڑی ہی شرمناک بات ہے چنانچہ اسی فکر میں شاہ عالم امتہ الحبیب کے پاس گیا اور اس لئے

اپنے پرایوٹ کمرہ میں لیجاکر جو کیفیت تھی بیان کر دی اور کہا کہ اب میں اس معاملہ میں کیا کروں۔ امتہ الحبیب نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور یہ کچھ فکر کی بات نہیں ہے آپ کی حجت تمام ہوچکی ہے اور اب آپ کو دشمن کے حملہ روکنے اور اسمیں مسلمانوں کی خونریزی ہوتے میں بھی کسی قسم کا شرعی مواخذہ نہیں ہوسکتا بالفعل آپ اس بات کی تدبیر و انتظام میں کوشش کیجیے کہ دشمن دریائے چنبل سے عبور نکر سکے جبتک غنیم کی فوج دریا کے عبور کرنے کی تدابیر میں مصروف رہے گی آپ اس عرصہ میں جنگ کا اتار چڑہاؤ بخوبی دیکھ سکیں گے اور اپنے عظیم الشان لشکر کو بخوبی تیار کر سکیں گے رسد کا بھی کافی طور پر سامان ہوجائیگا اور کسی بات کی زیادہ دقت اٹھانی نہ پڑیگی شاہ عالم امتہ الحبیب کی اس پر مغز عاقلانہ تحریر سے بہت خوش ہوا اور آسکی اس مدبرانہ رائے پر عشعش کرتا ہوا محل سے برآمد ہوا فوراً افغان زاد خان اوصف شکن خان کو بلایا جو توپخانہ کے دو بڑے بہادر اور خونخوار داروغہ تھے ان دونوں نے داب شاہی کے پابند ہوکر عرض کیا کہ اس وقت جس حکم کی بابت ہمیں ارشاد ہونے والا ہے ہم ہمہ تن گوش ہوکر اس کے سننے کے لئے مستعد ہیں ہم اسکی تعمیل میں اپنی جانیں تک لڑادیں گے اور ایک جان کیا ہزار ہوں تو فوراً قربان کر ڈالیں گے شاہ عالم نے ایک نہایت خوش آیندہ تبسم اور خندہ پیشانی سے فرمایا کہ تم اپنے ہمراہ چند فوجی بہادروں تیزاغر خان قراول کو ساتھ لیکر دریا کے پل پر قبضہ رکھو اور کسی طرح دشمن کی فوج کو عبور کرنے نہ دو اسی اثنا میں جاسوسوں کے رپورٹ نے بایں مضمون رپورٹ کی کہ اعظم شاہ کا ارادہ ہے کہ سموگڈہ کی گزرگاہ سے نکلکر اور اکبرآباد کو پس پشت چھوڑکر سامنے سے حملہ آور ہو شاہ عالم بہادر نے حکم فرمایا کہ فوج کا ایک بھاری دستہ سرائے جاجو کے ناکے پر نہایت ہوشیاری

کے ساتھ کھڑا رہے اور رستم خاں کو حکم ہوا جو شاہ عالم کی فوج کا ایک بڑا تجربہ کار اور نامور جنرل تھا کہ اپنی ہمراہی میں دو تین فوجی افسروں اور کثیر التعداد توپخانہ کے سواروں کو لیکر گرداوری میں مصروف رہے اور دشمن کے لشکر کی ہر ہر حرکت وسکون سے پے در پے اور متواتر خبریں پہنچاتا رہے۔

اسکے بعد شاہ عالم بہادر نے اپنی موجودہ فوج کے دو حصے کئے ایک حصہ تو امتہ الحبیب کی سرکردگی میں کیا اور دوسرا حصہ شہزادہ محمد عظیم کی کمان میں مقرر کیا اور خان زماں کی نسبت حکم صادر ہوا کہ فوج بندی میں مصروف رہے تاکہ جس وقت امتہ الحبیب یا شاہزادہ محمد عظیم کو فوجی مدد کی ضرورت پڑے فوراً امداد دی جائے شاہزادہ محمد عظیم کی بابت فرمان جاری ہوا کہ اپنی والدہ امتہ الحبیب کی رائے کے ذرا بھی خلاف نہ کرے باقی تین شہزادوں کو چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کی کمان دیکر اُن کی ماتحت بڑے بڑے جہاندیدہ اور پختہ کار افسر مقرر کرکے روانہ کیا۔

امتہ الحبیب تقریباً بیس ہزار فوج لیکر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اسوقت امتہ الحبیب کا فوٹو قابل ذکر ہے یہ اولو العزم اور جوشیلی بیگم ایک اژدہا پیکر گھوڑے پر سوار ہوئے شمشیر بکف اس شاندار اور جرار لشکر کی سرکردگی میں پُر شوق قدم اُٹھائے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی اس کا سارا جسم سر سے پانوں تک لوہے میں غرق تھا زرہ بکتر پہنے ہوئے تھی۔ فولادی خود سر پر رکھا ہوا تھا۔ ایک لمبا برچھا ہاتھ میں تھا دونو پہلوؤں میں نیام کی ہوئیں شمشیریں لٹک رہی تھیں۔ اور سینہ کے قریب ایک زہر آلود خنجر لگا ہوا تھا پشت پر ترکش پڑے ہوئے تھے اور کمان مونڈھے میں لٹک کر جھوم رہی تھی اسکی پر قہر نظریں برابر غنیم کی گذرگاہ کی طرف اُٹھ رہی تھیں اور چہرے کے فوری تغیرات بتا رہے تھے کہ یہ اس وقت کسی دو متضاد خیالوں کی الجھن میں گرفتار ہے بیشک امتہ الحبیب کی اس وقت عجیب کیفیت تھی کبھی

اُس کے ذہن میں بہادروں اور جانبازوں کے خون سے نہائی ہوئی زمین اور زخمیوں کی جاں خراش صدائیں اور ہزارہا بے تن سروں کا خون کے بہتے دریا میں غوطہ زن ہونے کا حسرتناک نظارہ ستاتا اور اسے اپنے پُر رعب اور وحشتناک منظر سے دہلا دہلا دیتا تہا اور کبھی فتح کی خوشی اس کے رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ جاتی تہی۔

امۃ الحبیب کو اتنا تو ضرور ہی علم تہا کہ اس جنگ کا نتیجہ معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے مگر ساتہہ ہی اُسے اس بات کا کامل یقین تہا کہ اگر اس معرکہ میں فتح ہوگئی تو میری عظمت و شان کا سکہ شاہ عالم کے دل پر اس سے بہی زیادہ بیٹھ جائیگا اور اگر خدانخواستہ شکست ہوئی تو پہر یہ مُنہ شاہ عالم کو دکہانے کے قابل نہ رہیگا غرض کہ اسی امید و یاس کے دو عجیب متضاد منظروں کی سیر کرتے ہوئے امۃ الحبیب اپنے پیل پیکر گہوڑے کو تہامے ہوئے لشکر کے ساتہہ آہستہ آہستہ چل رہی تہی۔

ادہر محمد اعظم شاہ نے اپنی فوج کی آراستگی بڑے انتظام کے ساتہہ کی۔ پچاس ہزار خونخوار سواروں کو ساتہہ لیکر بڑی خوفناکی سے تلواریں برہنہ کئے ہوئے حملہ آور ہوا یہ بالکل صحیح طور سے ثابت ہوگیا کہ محمد اعظم شاہ کے عسکر کی تعداد بہ نسبت شاہ عالم کے کم تہی اور اس کا سامان جنگ اچہا نہ تہا مگر پہر بہی اس کے فوجی افسر بڑے تجربہ کار اور سفاک اور قواعد جنگ سے بخوبی ماہر تہے نیز خود محمد اعظم شاہ بڑا بہادر اور شجاع شخص تہا اس نے اپنی فوج کی کمی اور بے سروسامانی اور شاہ عالم کی کثیر التعداد فوج کی ذرا بہی پرواہ نہ کی اور جس طرح بہوکا غضبناک شیر بکریوں کے گلہ پر جا پڑتا ہے اسی طرح محمد اعظم شاہ۔ شاہ عالم کی فوج پر پل پڑا حقیقت میں محمد اعظم شاہ کی یہ ایک بہت بڑی غلطی اور ناتجربہ کاری تہی کہ اپنے سامان جنگ کے عمدہ طور پر فراہم نہ ہونے اور لشکر کی تعداد میں کمی ہونے پر صرف اپنی

بہادری اور بجگری کے غرور میں بہر کر ایسے خونخوار اور عظیم الشان معرکہ میں کود پڑا اول تو اُسے اپنے ایک وفادار اور جان نثار بہائی کے مقابلہ میں صف آرا ہونا ہی نہ چاہئے تہا اور اگر بالفرض یہی ارادہ تہا تو اپنی فوجی طاقت کو کسی قدر زیادہ وسیع اور دولتمند کر لیتا مگر افسوس اُس نے ایسا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی تمام فوج بڑی سفاکی کے ساتہہ کہیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالی گئی اور اُسکی نعش اژدہا پیکر گہوڑوں کے سموں میں نہایت بیرحمی سے روندی گئی۔ مگر پہر بہی یہ ایک نہایت حیرتناک امر ہے کہ باوصف اس کے کہ محمد اعظم شاہ کی فوج کا سامان جنگ اچہا نہ تہا اور اُسکی فوجی اور مالی طاقتیں مخالف کی نسبت بہت کم تہیں لیکن تاہم جو بہادری اور دلیری اس موقع پر اس سے صادر ہوئی اس سے ابتک تاریخی صفحات روشن ہیں لشکر کے میمنہ پر خود محمد اعظم شاہ موجود تہا اور میسرہ کو شہزادہ محمد اعظم اس کا حملہ روکنے کے لئے بڑی مستعدی کے ساتہہ کہڑے انتظار کر رہے تہے دوسری سمت کی جانب آہستہ آہستہ بڑہ رہا تہا کہ دفعتہً شہزادہ محمد بیدار بخت محمد اعظم شاہ کا اشارہ پاتے ہی ایک بڑے فوجی دستہ کو ساتہہ لیکر شاہ عالم کے پیش خانہ پر جا پڑا رستم علیخاں جو چند فوجی افسروں کے ساتہہ یہاں موجود تہا ہر چند کہ اس نے بڑی دلیری اور جانبازی کے ساتہہ اس کا حملہ روکنے میں کوشش کی اور نہایت سفاکانہ وبیباکانہ مقابلہ کیا لیکن انجام کار اُسے شکست ہوئی تہوڑی دیر کی جنگ کے بعد میدان صاف ہو گیا کچہہ بہادر خون میں نہا نہا کے ٹہنڈے ہو گئے اور کچہہ طاقت نبرد نہ پاکر بہاگ کہڑے ہوئے محمد بیدار بخت کے لشکر نے شاہ عالم کے پیش خانہ کو لوٹ لیا اور خیمہ میں آگ لگا دی اور جہانتک ہو سکا غارتگری اور لوٹ مار میں کوشش کی۔

غافل اور بیخبر اتہ اجیب اور شہزادہ محمد عظیم کو جب اس مخالفانہ حملہ کی اطلاع

ہوئی تو دونوں نے اپنے عظیم الشان لشکر کو بڑی تیزی کے ساتھ اس طرف عاجلانہ جنبش دیکر جیتے ہر طرف سے فوجیں سمٹ سمٹا کر جمع ہوئیں اور نہایت تند اور تیز سیلاب کی طرح محمد اعظم شاہ کی فوج کے مقابل آپڑیں۔ اگرچہ اس خفیف سی شکست سے شاہ عالم کی فوج میں ایک غیر معمولی انتشار پیدا ہو گیا تھا اور سارے لشکر میں عام طور پر ایک بڑا تہلکہ اور عام تزلزل پڑ گیا تھا لیکن امتہ الحبیب کی عاقلانہ تدبیر اور دور اندیشی نے اس وقت بہت بڑا کام کیا اُس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر اس اول ہی حملہ کی شکست سے سپاہیوں کے دل چھوٹ جائیں گے تو پھر مدت تک مقابلہ کرنا مشکل پڑ جائیگا۔ اس نے بڑی متانت اور سنجیدگی سے اپنے فوجی سرداروں کی تسلی کی اور ان کے تذبذب و تردد کو بالکل مٹا دیا۔

یہاں محمد بیدار بخت نے جب شاہ عالم کے پیش خانہ کی متعینہ فوج کو شکست دی تو ذوالفقار خاں اور دیگر مقربان بارگاہ نے محمد اعظم شاہ سے عرض کیا کہ صلاح دولت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ آج فتح کے شادیانے بجا دئے جائیں اور آج کی جنگ کا خاتمہ اسی کو سمجھا جائے حضور اپنا خیمہ یہیں نصب فرمائیں اور کل پھر مقابلہ کے لئے لشکر کو جنبش کرنے کا حکم صادر کریں۔ کیونکہ آج کی شہرت فتح کے دبدبہ سے کل دشمن کے لشکر میں عالمگیر تزلزل پڑ جائے گا اور بہت سے نامور اور بہادر وہاں سے نکلکر ہماری فوج میں آشامل ہوں گے اور بزدلوں کی ایک جماعت خود بخود راہ فرار اختیار کریگی۔ ذوالفقار خاں کی اس تقریر سے محمد اعظم شاہ بجلی کی طرح کوندگیا اور نہایت برہم و افروختہ ہو کر ایک نہایت کرخت آواز میں کہا کہ یہ عورتوں کی مصلحت ہے بہادر اور خونخوار آدمی اس قسم کی بزدلانہ تدبیروں کو اپنے حق میں ایک بہت بڑا شرمناک واقعہ خیال کرتا ہے۔ الغرض ابھی محمد اعظم شاہ کی اکثر فوج غارتگری اور تاخت و تاراج ہی میں مصروف تھی کہ امتہ الحبیب اپنی

جرار فوج کے ساتھہ دفعتہً ٹوٹ پڑی اور بڑی تیزی اور سختی کے ساتھہ دونوں طرف سے تلواریں چلنے لگیں تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ امتہ الحبیب کی ہوشیار اور بہادر فوج نے مقابل کی فوج کے ایک بڑے زبردست اور خونخوار دستہ کو کاٹ کر ڈھیر لگا دیا۔ امتہ الحبیب ایک اونچے مقام پر کہڑی ہوئی اپنے سپاہیوں کی جانبازی اور بیجگری کو پرشوق نظروں سے دیکھہ رہی تہی اور اشاروں میں اپنے فوجی افسروں کو بتاتی جاتی تہی کہ یوں بڑہو اور اس طرح ہٹو۔

محمد اعظم شاہ کا جب ایک فوجی دستہ کٹ چکا تو اب ایک اور دستہ جو پہلے سے کسی قدر زبردست اور زیادہ خونریز تہا تلواروں کو علم کئے ہوئے آگے بڑھا امتہ الحبیب نے اسوقت یہ بڑی ہوشیاری برتی کہ اپنے اس دستہ کو جو دیر سے لڑ رہا تہا پیچھے ہٹا لے گئی اور دوسرا تازہ دم دستہ اس کے مقابلہ میں لے آئی اس نے بڑی ہوشیاری سے مخالف کی فوج کا کلہ بکلہ جواب دیا اور طرفین سے تیروں اور تلواروں کا مینہ برسنے لگا یہ جنگ سخت گھمسان کی تہی۔ ہزاروں سر بھٹے کی طرح اڑ اڑ کر گر رہے تہے اور جاجو کا میدان بہادروں کے خون سے دریا کی طرح لہریں لے رہا تہا ہر طرف سے تیروں کی سائیں سائیں کی مدہوش کرنے والی ہیبت ناک آوازیں سنائی دیتی تہیں۔ زخمیوں کی دل دہلانے والی خطرناک آہیں بلند ہو رہی تہیں جو سینوں کو برابر چاک کرتی ہوئیں آسمان تک پہنچتی تہیں۔ توپ کی ہولناک گونج اور بان کی جانستان کڑک نے نقارہ اور قرنا کی آوازیں شرکت کر کے میدان جنگ کو وحشت سے لبریز کر دیا تہا دونوں طرف کے رزم جو دلاوروں اور شعلہ خو مبارزوں نے معرکہ کارزار میں دلیرانہ قدم ڈالے اور جنگی ہاتہیوں نے جو لوہے میں ڈوبے ہوئے تہے ہر طرف قیامت برپا کر دی۔ **ابیات۔**

چو گشت از دو سو لشکر آراستہ | جہانے بہ پیرخاشش برخاستہ
دہا دہ بر آمد ز ہر پہلوی | چکاچاک برخاست از ہر سوی
زبس خون کہ از کشتگان شد رواں | محیط بلا گشت ہندوستاں
بسے سر کہ بے تن شد از تیغ تیز | نہ دست نبرد و نہ پائے گریز

اس سخت گھمسان کی لڑائی میں راؤ دلپت بندیلہ اور راجہ رام سنگہ جن کی بہادری شجاعت کی ایک عجیب دہوم چار دانگ عالم میں پہلی ہوئی تہی اور جن کی سفاکی اور بیباکی کے ڈنکے تمام جہان میں بج چکے تہے بہت سے جنگجو مشہور سرداروں کے ساتھہ امتہ الحبیب کے ہاتہہ سے قتل کئے گئے۔ لیکن اُس کے ساتہہ ہی امتہ الحبیب کو اپنے ایک بہت بڑے افسر باز خاں کے مارے جانے کا اس قدر صدمہ اور افسوس ہوا جسے وہ تمام عمر نہ بہول سکی۔ اس معرکہ جنگ کا بہی موقع زیادہ نازک اور خطرناک تہا۔ جوں جوں لڑائی کو طول کہنچتا جاتا تہا ساعت بساعت اور لمحہ بلمحہ آتش پیکار کے شعلے زیادہ بہڑکتے جاتے تہے یہاں تک کہ خان عالم۔ اور منور خاں جنہیں اُس زمانہ کے بہادروں نے صف شکن کا خطاب دیا تہا اور جن کی جنگجوئی اور دلیری کی شہرت کا جہنڈا دکن کے اکثر پر خوف معرکوں میں گڑ چکا تہا کوہ پیکر ہاتہیوں پر سوار ہو کر محمد اعظم شاہ کی فوج میں دلیرانہ نکلنے اور غضبناک شجاعت بیشہ شیروں کی طرح ڈہارتے ہوئے ایک نہایت ہی عاجلانہ جنبش سے شہزادہ کا اشارہ پاتے ہی جہاں کے تہاں بت کی طرح کہڑے رہ گئے۔ شہزادہ نے فوراً اپنا ہاتہی آگے بڑہایا اور فوج سے علحدہ ہو کر آہستہ آہستہ آگے کی طرف جنبش کی۔ منور خاں نے نہایت بیباکی کے ساتہہ رستمانہ حملہ کیا اور ایک بڑا نیزہ شہزادہ محمد عظیم کی طرف چلایا شہزادہ نے بڑی پہرتی اور ہوشیاری سے گو منور خان کے نیزہ سے اپنے تئیں بال بال بچا لیا لیکن پہر بہی اُس بہادر کے نیزہ کا وار بالکل خالی نہیں گیا اور جلال خاں

قراول خاں کے مونڈھے پر اوچٹتا ہوا پڑا جو شہزادہ کے پس پشت بیٹھا ہوا تھا اسپر شہزادہ نے برافروختہ ہوکر فوراً حریف کے سینہ پر ایک زہر آلود تیر مارا یہ تیر ایسا کاری تھا کہ منور خاں آن کی آن میں ہاتھی سے نیچے جا رہا۔
خان عالم اپنے بھائی کے یوں مارے جانے سے سخت متاثر ہوا اور بے اختیار اُسکا دل بھر آیا اس وقت اُسکی آنکھ میں سارا جہان ایک تاریک منظر تھا اور پُرنم آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہ رہا تھا انتقام کا جوش اُسکی رگوں میں خون کی طرح دوڑا اور وہ ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ آبدار اور خونی نیزہ اُٹھاکر شہزادہ محمد عظیم پر حملہ آور ہوا شہزادہ نے بڑی چستی وچالاکی سے اُس کا وار خالی دیا اور جلال خاں کے گولہ تفنگ سے خان عالم نے بھی اپنے بھائی کے سرہانے آرام کیا یہ دیکھکر شہزادہ محمد بیدار بخت ابن محمد اعظم شاہ فوج کے ایک بہت بڑے زبردست دستہ کو ساتھ لیکر مخالف کی فوج میں گھس گیا اور چند ایسے پے درپے اور تابڑتوڑ وار کیے کہ مقابل کے بڑے بڑے فوجی افسروں کو مارتے تلواروں کے زمین کا پیوند کردیا اس کے اس زبردست اور سفاک حملہ نے محمد عظیم کے لشکر کے پاؤں اکھیڑ دیئے اور آن کی آن میں اُس کا ایک بڑا مضبوط مورچہ فتح کرلیا گیا گو شاہزادہ رفیع القدر شاہ عالم کا دوسرا فرزند اپنے بھائی کی مدد کیلئے ایک بھاری اور جرار فوج لیکر پہنچ گیا تھا اور اسی کے متصل شہزادہ محمد معزالدین شاہ عالم کا تیسرا فرزند اپنی فوج لیکر موقع پر آدھمکا تھا لیکن بیدار بخت کا یہ ایک ایسی پوری قوت کا حملہ تھا جو کسی کے روکے سے نہیں رُک سکتا تھا اس نے چند منٹ میں مقابل کی تمام صفوں کو الٹ دیا اور بات کرتے میں دوسرے مورچہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ محمد عظیم شاہ کو اس شکست سے سخت صدمہ ہوا اور اُس کے چہرہ سے ملال وافسردگی کے آثار ٹپکنے لگے اُسے سخت تذبذب تھا

کہ اب یہ دونوں مورچے کس طرح قبضہ میں آسکتے ہیں اسوقت امۃ الحبیب ہاتھی پر سوار
تھی اور اپنی فوج کو روکے ہوئے ایک اونچی سطح سے اس خونخوار جنگ کے ہولناک
منظر کو پر قہر کی نظروں سے دیکھ رہی تھی جب اس نے دیکھا کہ حملہ آور فوج محمد عظیم کو
برابر دباتی چلی جاتی ہے اور دو مورچے فتح کر کے عنقریب تیسرے مورچہ پر پہنچا چاہتی
ہے تو وہ نہایت سنجیدگی اور استقلال سے پینترا بدلے ہوئے آگے بڑھی اور حملہ آوروں
کے پس پشت سے ایک نہایت بیباکانہ اور زبردست حملہ کیا۔
شہزادہ بیدار بخت جو اپنی فتح کی جوش مسرت میں آگے بڑھا چلا جاتا تہا دفعتہً اس کے
کان میں ایک گرج کی سی آواز آئی جس سے تمام میدان گونج اٹھا معلوم ہوا کہ مخالف
کی فوج نے پشت کی طرف سے حملہ کیا ہے اس نے گھبرا کر ادہر کا رُخ کیا اور مفتوحہ
مورچہ پر واپس آکر ٹھہر گیا لیکن حقیقت میں اس کا وہاں ٹھہرنا ہی غضب تہا۔ آن
کی آن میں امۃ الحبیب کی فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلالی شکل میں صف آرا ہو گئیں
اور تمام راستے رُک گئے متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور جانبین
میں سے کسی نے حرکت وجنبش کی جرات نہیں کی شہزادہ محمد بیدار بخت چونکہ حملے
کرتے کرتے تہک گیا تہا نیز اب پورے طور پر محاصرہ میں آچکا تہا اور اس کے بہت
سے وفادار اور جان نثار کام میں آچکے تہے لہذا اب اسے حملہ کرنے کی تو جرات
نہ پڑی لیکن اسکی دلیری اور مردانگی نے مفتوحہ مورچوں پر سے قبضہ اٹھا لینے کی
بھی اجازت نہیں دی۔
تین گھنٹے کے بعد امۃ الحبیب نے اپنی فوج کو گولہ باری کا حکم دیا اور اس نے اس
قدر متواتر اور پے در پے گولے برسائے جس نے محصورین کا بالکل کام تمام کر دیا
اور انہیں میں بیدار بخت بھی ایک گولہ کی ضرب سے جاں بحق ہو گیا۔ یہ وحشت
اثر خیز اور جانگداز واقعہ آن کی آن میں محمد اعظم شاہ کے گوش گذار ہوا کہ تمہارا

فرزند لقمہ اجل ہو گیا۔ یہ خبر سنکر محمد اعظم شاہ کی بُری حالت ہو گئی۔ اس نے ایک
دود آلود آہ پُر اخگر سینہ سے کھینچی اور کلیجہ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ گیا وہ اول تو تھوڑی
دیر حالت سکتہ میں رہکر اپنے فرزند کے غم میں خون کے آنسو روتا رہا ازاں بعد اُس
مست ہاتھی کی طرح جو شعلہ آگ کے بھرے ہوئے پہاڑ میں کود پڑتا ہے بڑی
تیزی کے ساتھ دشمن کی فوج کا مقابلہ کیا اور دیر تک رستمانہ حملوں اور بہادرانہ
کوششوں سے مقابلہ کرتا رہا۔ جو تیر اُسکے کمان کے چلّے سے نکلتا تھا ایک بہادر
کو خانہ زین سے سرنگوں زمین پر ڈالتا تھا اور جو خونی نیزہ اُسکے ہاتھ سے چلتا تھا
ایک بڑے افسر کے بودہ کو خون سے رنگین کرتا تھا جو اجل رسیدہ اُس کے
سامنے آتا خاک و خون میں غلطاں ہوتا۔

ز ہر تیر کز شست پرواز کرد — تنے راز پیوند جاں باز کرد
درافگند خود را دراں کارزار — چو شیرے کہ گور افگند در شکار
برآمد خروشے وہ و دار و گیر — چو باراں ببارید ژوبین و تیر
گراں جنگ رستم بدیدے بخواب — شدے از نہیبش دل و زہرہ آب

اس معرکہ جنگ میں جو بہادری و جلادت اس زیبندہ خاندان تیموری سے ظاہر
ہوئی اور جو کوشش اس نبرد آزما والا نسب سے وقوع میں آئی اُس کی
مثال مشرقی حکمرانوں میں بڑی مشکل سے پائی جا سکتی ہے۔

اس وقت کے جنگ کا یہ نظارہ بہت ہی دلفریب اور قابل دید تھا دن بالکل آخر
ہو گیا تھا اندازاً ساڑھے چھ بجے ہونگے رخصت ہونے والا زردی مائل آفتاب
اپنی دھوپ کا سنہرا زیور پہنا کر دنیا کی قدرتی حسن و خوبی کی بہار آخری اور الوداعی
نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ درختوں کے سائے بہادران معرکہ کی امید کی طرح اپنی
سمتوں سے تجاوز ہو رہے تھے۔ آفتاب کی ماند اور تھکی ہوئی کرنیں بھی بہادروں کے

آبدار نیزوں پر پڑتی تہیں اور کبھی اونچے اونچے برچھوں پر اور جب دونوں کا عکس ملکر زمین پر پڑتا تہا تو لوگوں کی آنکھوں میں ایک خیرگی اور چکاچوندسی پیدا ہوجاتی تہی۔

محمد اعظم شاہ اس خوف سے کہ کہیں جلد سورج نہ غروب ہوجائے بڑہ بڑہ کر نہایت تیزی اور عجلت کے ساتھ تابڑ توڑ حملے کر رہا تہا اور فوج مقابل بڑی ہوشیاری سے اس کے زبردست حملے روک رہی تہی۔ انجام کار آفتاب مغربی گہاٹیوں میں غروب ہوگیا اور مشرق کی جانب سے ایک تاریک اور اندہیریا غبار اٹہا جو رفتہ رفتہ سارے سطح آسمان پر پہیل گیا۔ شام ہوچکنے کے بعد ناچار محمد اعظم شاہ نے جنگ کے موقوف کرنے کا حکم دیا اور آج کی بقیہ جنگ کل کے لئے اٹہا رکہی گئی۔ چونکہ اتہ الحبیب کو بھی اپنے لشکر کی حالت بہت کچھ درست کرنی تہی لہذا اس نے بہی موقوفی جنگ کا اعلان منظور کرلیا۔

یہ رات خود محمد اعظم شاہ اور اسکی فوج کے لئے نہایت سخت رات تھی اسکی تمام فوج پر مخالفوں کا رعب بیٹھ گیا تہا اور مارے خوف کے دل ہل گئے تہے عام طور پر ہر ایک شخص پر پریشانی اور افسردگی چہائی ہوئی تھی اور سب اپنی زندگی سے مایوس و نا امید ہوچکے تہے لیکن محمد اعظم شاہ نے یہ بڑی ہوشیاری برتی کہ خود آمادہ جنگ ہوگیا اور اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکہائے کہ جس سے فوج میں ایک نیا وفادارانہ جوش پیدا ہوگیا۔ رات کے بارہ بجے کے قریب محمد اعظم شاہ نے ایک مجلس مرتب کی اور فوج کے تمام افسروں اور جنرلوں کو بلاکر کہا کہ کل جبتک میں اکبر آباد فتح نہ کردوں گا ایک منٹ چین سے نہ بیٹھوں گا تمہیں کل نہایت ہوشیاری اور بیدار مغزی سے کام لینا چاہیئے۔

ادہر امتہ الحبیب رات بھر اپنے فوج کے انتظام اور مورچوں کی مضبوطی نیز شہر کے اور پہاڑوں کے مستحکم کرنے میں مصروف رہی اور محمد اعظم شاہ کو بلا کر جنگ کے تمام اتار چڑہاؤ اور فراز و نشیب صاف صاف بتا دیئے اور یہ بھی کہدیا کہ کل جبتک مخالف کی فوج حملہ کرتے کرتے اوکتا نہ جائے اور خوب عاجز و تنگ نہ ہو جائے ہم کبھی حملہ آور نہ ہوں۔

صبح ہوتے ہی نقارہ پر چوب پڑی اور دونوں طرف کے لشکر صف آرا ہو کر میدان میں آئے۔ آج سب سے پیشتر خود محمد اعظم شاہ ایک خونخوار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا اور پہلے ہی حملہ میں مخالف کی فوج کو اپنی تیغ بیدریغ کے جوہر دکہا دیے امتہ الحبیب کی فوج آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی گئی اور ساتھ ہی انہیں جواب بھی دیتی گئی۔ محمد اعظم شاہ نہایت بیباکانہ اور سفاکانہ حملے کرتا ہوا آگے بڑہا چلا گیا اور فوج کو پریشان و درہم برہم کرکے امتہ الحبیب کے باڈی گارڈ تک پہنچ گیا اسوقت محمد اعظم نے اپنی فوج کو للکارا اور بڑی جوانمردی سے مخالف کے حملہ کو روک دیا فوج نے اپنے افسروں کا اشارہ پاتے ہی تلواریں نیام سے گہسیٹ لیں اور اپنی پوری قوت سے دشمن پر پل پڑی اس دن کی یہ جنگ کل کی جنگ سے بہی زیادہ خطرناک اور خونریز تہی اور اسی جنگ کے خاتمہ پر فریقین اپنی فتح و شکست منحصر سمجہتے تہے اسوقت جو لڑائی کا گہمسان تہا کسی طرح بیان میں نہیں آسکتا۔ بہادروں کے ہاتہوں کی تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر چورا ہوگئی تہیں ترکشوں میں کوئی تیر نام کو باقی نہیں رہا تہا۔ گہوڑے رانوں کے نیچے سے نکل گئے تہے کسی کو اپنے آپے تک کی خبر نہ تھی۔ میدان کے گرد و غبار اور بارود کے دہوئیں سے کوئی کسی کو پہچان نہ سکتا تہا۔

اسی اثنا میں محمد بیدار بخت کے چہوٹے بہائی شہزادہ والا جاہ کے ہاتہی کی

مستک پر ایک گولہ پڑا اور فیلبان کو لپیٹتا ہوا ہودہ میں پہنچکر شہزادہ والا جاہ کا کام تمام کر ڈالا۔ اسی کے متصل ایک اور قہرناک گولہ پھٹا جس کے زمین پر گرنے سے پیشتر ایک نہایت حسین اور پری تمثال خاتون یعنی شہزادہ والا جاہ کی بیگم کی نعش ہاتھی کی پشت سے نیچے آرہی۔ مورخین کا بیان ہے کہ شہزادہ والا جاہ کی سواری کا ہاتھی گولوں کے پے درپے زخموں سے تنگ آکر اس کی نعش کو لشکر سے لے نکلا اور اکبر آباد کی طرف منہ اٹھائے چلا گیا۔ ہر چند محمد اعظم شاہ نے اپنے اس چھوٹے فرزند کی نعش کا پتہ لگانا چاہا مگر افسوس کہیں سراغ نہ چلا۔

اس کے بعد محمد اعظم شاہ کی فوج نے قریباً تین گھنٹہ تک کوئی حملہ نہ کیا۔ اسوقت امتہ الحبیب نے مناسب سمجھا کہ خود حملہ آور ہو کیونکہ وہ نہایت تجربہ کار تھی اور لڑائی کے چڑھاؤ اتار سے بخوبی واقف تھی اس نے اپنی فوج کے میمنہ کو حکم دیا کہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور جوں ہی دشمن زد پر آجائے اپنی پوری طاقت سے اچانک پل پڑے چنانچہ فوج کے میمنہ نے تدریجی جنبش کی اور نہایت آہستگی سے آگے قدم بڑھائے اور ساتھ ہی میسرہ نے بھی حرکت کی شہزادہ محمد عظیم اور امتہ الحبیب بھی دائیں بائیں پینترے کاٹتے ہوئے اشاروں ہی اشاروں میں فوجی افسروں کو بتاتے اور سمجھاتے آگے بڑھے۔ ادھر سے محمد اعظم شاہ کی فوج نہایت خوفناکی سے برہنہ تلواریں اٹھائے ہوئے اس طرف بڑھی مگر چونکہ یہ فوج نہایت ہوشیار اور تجربہ کار تھی تھوڑی دور چلکر ٹھہر گئی اور مقابل کی فوج کی زد پر نہ آئی گھنٹہ بھر کامل جنگ ہوتی رہی اور طرفین کے افسر سینہ بسینہ جواب دیتے رہے آخر امتہ الحبیب نے اپنے افسروں کو کچھ اشارہ کیا اس کی تمام فوجین فوراً ہلال کی طرح صف آرا ہوگئیں اور محمد اعظم شاہ کو ہالہ کی مانند

چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اسی اثنا میں قبلہ کی طرف سے جہاں شاہ عالم کا عظیم الشان لشکر آمادہ پیکار کھڑا تھا ایک نہایت تیز و تند ہوا کا قہرناک جھکڑ چلنا شروع ہوا۔ مہیب نے اپنی خوش قسمتی سے ایسے موقع کو بہت غنیمت جانا اور اپنی فتح و کامیابی کا مقدمہ سمجھکر لشکر کو گولہ باری کرنے اور تیروں کا مینہ برسانے کا حکم دیدیا۔ جو تیر کہ جہاں آشوب ہوا کی مدد سے محمد اعظم شاہ کے لشکر پر پڑتا تھا زرہ بکتر کو چھیدتا ہوا پار ہو جاتا تھا اور جو سنگریزہ اس ہوائی طوفان کی تائید سے دلاوروں کے لگتا تھا گولہ تفنگ کا کام دیتا تھا۔

الغرض اس وقت کی یہ جنگ نہایت ہی خونریز اور زیادہ خطرناک تھی اعظم شاہ کی کثیر التعداد فوج کام میں آچکی تھی اور وہ اب ہوا کی مخالفت اور اپنی بدقسمتی کی وجہ سے بالکل مایوس و ناامید ہو گیا تھا اُس کے لشکر کی آنکھ میں تمام عالم تاریک اور سیاہ معلوم ہوتا تھا ؎

زگردے کہ برخاست در رزم گاہ	جہاں گشت در چشم مردم سیاہ
بدانگو نہ گم شد دراں گرد مہر	کہ مے جست باصد چراغش سپہر

اس جنگ کے اول حصہ میں اگرچہ محمد اعظم شاہ کے سفاکانہ حملوں اور رستمانہ کوششوں نے اُس کے تمام افسران فوج کو یقین دلا دیا تھا کہ بیشک آج یہ پالا ہمارے ہی ہاتھ رہے گا اور فتح کے ڈنکے ہمارے ہی نام پر بجیں گے اور تھوڑی دیر کے لئے ایسا ہی ہوا بھی کہ شاہ عالم کی فوج باوجود اپنے غلبہ کے اُس دریائے غیرت کے نہنگ کے مقابلہ کی طاقت نہ پاکر قریب تھا کہ شکست کھا کر بھاگ جائے لیکن افسوس اُن کی یہ خوشی ایک عارضی خوشی تھی - اس خونی اور قہرناک ہوا کا چلنا ان کے لئے غضب ہو گیا اور اُسکی پریشانی اور ہولناکی نے دشمن سے پہلے ہی انہیں شکست دیدی اور ان کے انگشت نما اور مشہور بہادروں کو خاک میں ملادیا

گو اس وقت محمد اعظم شاہ کے بازو بالکل ٹوٹ گئے تھے مگر وہ پھر بھی حملے کرنے سے باز نہ آتا تھا۔

ذوالفقار خاں جو محمد اعظم شاہ کی فوج کا ایک بہت بڑا معزز اور بہادر جنرل تھا اور شاہی دربار میں امتیازیہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا جب اس نے دیکھا کہ ہمارے لشکر کے بیشمار بہادر کٹ چکے اور کثیر التعداد دلاور زخموں سے چور چور کر دیئے گئے نیز محمد اعظم شاہ ایک ایسے سنگین اور زبردست محاصرہ میں آچکا کہ اب اُس کا جانبر ہونا نہایت دشوار اور سخت مشکل ہے تو محمد اعظم شاہ کے پاس گیا اور شاہی آداب بجا لاکر عرض کیا کہ حضور مصلحت وقت اسی امر کی متقاضی ہے کہ آپ اس جنگ سے دست بردار ہو کر پیچھے ہٹ چلئے اور کسی مامن میں پہنچکر اپنی فوجی طاقت درست کیجئے اور پھر اگر مناسب ہو تو اس کے تدارک و تلافی میں کوشش کیجیے۔ سابق کے بادشاہوں نیز آپ کے آبا و اجداد کے سلسلہ پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو ایسی بہت سی نظیریں اور مثالیں ان میں بھی پائی جاتی ہیں وہ تقاضائے وقت اور مصلحت کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے اور ایسے نازک اور پرخطر موقع سے تنہا نکل آنا مناسب سمجھتے تھے۔

محمد اعظم شاہ ذوالفقار خاں کی یہ تقریر سنکر نہایت برافروختہ ہوا اور گو اسکے غصہ کی آگ پوری بھڑک چکی تھی مگر پھر بھی اُس نے ذوالفقار خاں کے قدیم خدمت کی بہت رعایت کی اور اپنے تئیں سنبھالکر کہا۔ بہادر ذوالفقار خاں! تم اپنی جان جہاں چاہو سلامت لیجاؤ لیکن میری حرکت و جنبش اس سرزمین سے دشوار ہی نہیں بلکہ سخت محال ہے۔ پہاڑوں کا اپنے مقام سے ٹل جانا آسان ہے مگر بہادر کا معرکۂ جنگ سے قدم ہٹنا آسان نہیں پادشاہوں کے لئے تخت ہو تا ہی یا تختہ۔

اس کے بعد ذوالفقار خاں اور حمید الدین خاں وغیرہ اعظم شاہ کی رفاقت چھوڑ کر

گوالیار چلے گئے اور ان کے چلے جانے سے بہت سے شکستہ دل لوگوں نے راہ فرار اختیار کی اب اعظم شاہ کے رکاب میں بجز دو تین سو سواروں کے اور کوئی نہیں دکھائی دیتا اور اس نازک اور بیکسی کے وقت کوئی اُسکا یار و مددگار معلوم نہیں ہوتا انجام کار اعظم شاہ اپنے تئیں ہزار ہا خونخوار سواروں کے پنجہ میں گرفتار پاکر چلا اٹھا کہ "شاہ عالم مجھسے جنگ نہیں کر رہا ہے بلکہ مجھ بدقسمت اور برگشتہ بخت سے خدا پھر گیا ہے۔

اعظم شاہ ایک کوہ پیکر ہاتھی پر سوار تھا اور برابری میں شہزادہ عالی تبار بیٹھا ہوا تھا جسے اعظم شاہ نے اُسکی صغرسنی کی وجہ سے اپنے ساتھ ہودہ میں بٹھالیا تھا اور تیر و گولہ کے صدمہ سے اُسکی محافظت میں زیادہ کوشش کر رہا تھا یکایک اعظم شاہ کے فیلبان کے سر پر ایک گولہ پڑا اور اپنے ساتھ ہی زمین میں اُسے بھی لیتا گیا ہرچند کہ ہاتھی بےشمار زخموں کی وجہ سے نہایت مضطرب اور بےقرار تھا نیز اعظم شاہ پے در پے جانستان زخموں کے پہنچنے سے پہلے راہ فنا میں گامزن ہونے پر مجبور تھا لیکن اُس نے بلحاظ غیرت و شجاعت پھر بھی انتہا سے زائد خودداری برتی اور بڑی جوانمردی و مردانگی سے ہودہ کے اندر سے پاؤں نکالکر ہاتھی کو آگے بڑہنے کا اشارہ کیا۔

بدقسمتی سے اعظم شاہ کا ہاتھی زخموں سے اس درجہ چور ہو گیا تھا کہ اب اُس میں جنبش کرنے تک کی طاقت باقی نہ رہی تھی اس شجاع بادشاہ نے چاہا کہ ہاتھی کو بٹھا کر اُتر پڑوں اور گھوڑے پر سوار ہو کر ایک اور دفعہ قسمت آزمائی کروں لیکن چونکہ اُس کی عمر کا آفتاب غروب ہونیکے قریب تھا اور اُسکی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک جانیوالا تھا لہذا وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور دفعۃً ایک زہر آلود تیر اسکی پیشانی پر لگا تیر ایسا کاری تھا جس سے اعظم شاہ بیہوش ہو گیا اور پھر کبھی ہوش میں آنا اُسے نصیب نہ ہوا۔

رستم علی خاں فوراً اس طرف لپکا اور اعظم شاہ کے ہاتھی پر چڑھکر اُس کا سر تلوار سے
کاٹ ڈالا۔ شاہ عالم بہادر کے لشکر میں فتح کا نعرہ بلند ہوا اور خوشی کے شادیانے
بجنے لگے۔ بہادروں کے نعرۂ فتح اور نقاروں کی صدا سے سارا میدان گونج اٹھا
اور ہر طرف سے تہنیت و مبارکبادی کی آوازیں بلند ہوئیں فتحمند بہادروں کے دل جوش
واثر سے معمور تھے شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جستہ جستہ مصرعے اور موزوں
فقرے زبان پر آتے جاتے تھے اسی اثناء میں کسی نے محمد اعظم شاہ کی وفات کا
تاریخی مادہ یوں نکالا "ہائے محمد اعظم"
نعروں کی گونج ابھی ختم نہیں ہو چکی تھی کہ نامرد رستم علی خاں۔ محمد اعظم شاہ کا سر لیکر
شاہ عالم کے پاس پہنچا۔ یہ سر اُس کے دامن میں لپٹا ہوا تھا دامن میں سے سر نکالا اور
اس کے خون آلود رخسارہ کو دانتوں سے چباکر شاہ عالم کے ہاتھی کے پاؤں میں
ڈالدیا۔ شاہ عالم کو بزدل رستم علی خاں کی نامناسبت اور ذلیل حرکت سخت ناپسند
ہوئی اور آپنے پہلے اُس ناپاک اور سگ سیرت کی طرف بڑی تند اور پُر قہر نظر سے دیکھا
پھر بڑی رقت کے ساتھ اپنے بھائی کی اس زبون حالت پر خون کے آنسو رویا۔
شاہ عالم اسی وقت ہاتھی سے اُتر کر ایک مختصر خیمہ میں جو ایک بلند سطح پر زمین
کے مستطیل قطعہ میں ایستادہ تھا آیا اور دو رکعت نماز شکر ادا کر کے حکم صادر کیا کہ محمد اعظم شاہ
کے فرزند عالی تبار اور بیدار بخت کے فرزند بیدار دل کو حاضر کرو بموجب حکم کے یہ
لوگ خیمہ میں حاضر کئے گئے شاہ عالم نے کمال لطف و محبت سے انہیں گود میں بٹھایا
اور مہربان باپ کی طرح مشفقانہ ہاتھ ان کے سر پر پھیر کر امان جان کی خوشخبری
دی اور اپنے فرزندوں کی طرح اُنکی پرورش و تربیت کا حکم دیا زاں بعد اعظم شاہ
کی محل سرا کی تمام معصوم مستورات کی تسلی کی اور رسم تعزیت ادا کرنے کے لئے خود ادن
کے فرودگاہ میں گیا۔

غرضکہ یہ ایک مشہور واقعہ ہے جو تاریخی منظر میں پرشوق نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور جس نے بے اختیارانہ تعریفی الفاظ امتہ الحبیب کی شجاعت و مردانگی اور ہمت و استقلال کے لئے مورخین سے مختص کرالئے ہیں۔

ارہم بائی یا قدسیہ بیگم

یہ زہرہ جبیں خاتون ابو النعیم محمد شاہ خلف جہان شاہ ابن بہادر شاہ کی معزز بیگم تھی در اصل یہ بیگم بڑی بیدار مغز اور ہوشیار تھی اور اپنی پرمغز عاقلانہ رائے سے بات بات میں وہ نتائج پیدا کرتی تھی جنہیں سنکر بڑے بڑے عقلمند دنگ رہجاتے تھے مگر افسوس محمد شاہ کی متلون المزاجی غیر استقلالی اور عیش پسندی نے اسے بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا اور اب اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ رات دن شراب میں مخمور اور نفرت انگیز عیش و عشرت میں ہمیشہ مبتلا رہتی اس کا سارا چونچال پنا اور تیزی طبع جودت ذہن کمبخت شراب کی بدولت غارت ہوگیا اور بجائے ان اخلاقی خیالات اور شائستہ و مہذب عادات اور نتیجہ خیز اطوار کے جو پیشتر اس میں پائے جاتے تھے اب نہایت مبتذل اور ناموزوں اور حقیر باتیں پیدا ہونے لگیں جو مہذب اور خداترس لوگوں کے نزدیک نہ صرف مذموم و مکروہ تھیں بلکہ نہایت نفرتناک اور وحشت انگیز تھیں۔ اور یہ نتیجہ صرف اس بری صحبت کا تھا جو ہمیشہ اس کے گلے کا ہار رہتی تھی۔

محمد شاہ نہ صرف کاہل اور عیش پسند ہی تھا بلکہ حکومت کے قواعد و ضوابط اور سلطنت کے آئین و آداب سے محض غافل تھا۔ سلطنت کے اُتار چڑہاؤ میں بھی کبھی اس نے غور نہیں کیا اور اس کے فراز و نشیب کو کسی وقت آنکھ کھولکر نہ دیکھا یہی غفلت و بیخبری اور کاہلی و عیش پسندی تھی جسکی وجہ سے مورخین نے اسکی سخت ہجو کی ہے اور در حقیقت

وہ اس کا مستحق ہے آسکی اس غفلت و بے پروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت مغلیہ پر ایک عام زوال کی گھٹا چھا گئی اور سارے ملک میں عموماً غدر مچگیا۔ صوبوں کے حکمراں خودسر ہوگئے اور ہر ایک نے بغاوت کی جہاں سوز آگ بھڑکا دی مرہٹوں نے یہانتک زور باندھا کہ دلی تک کو لوٹ لیا اور یہ بربادی و غارتگری ایسی سخت اور شدید ہوئی کہ پھر دلی والوں کو کبھی پنپنا نصیب ہی نہیں ہوا اسی اثنا میں نادرشاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا جو ایشیائی دنیا میں نہایت خونخوار اور سفاک بادشاہ گذرا ہے اسکی بیرحمی کے تمام دنیا میں ڈنکے بجگئے تھے اور اس کے زمانہ کے بادشاہ اسکی بیرحمی اور سفاکی سے تھراتے تھے۔ محمدشاہ کو اس حملہ آور بادشاہ کی اُس وقت خبر ہوئی جب وہ پانی پت پر ایک عظیم الشان لشکر سے آدھمکا اس مقام پر ایک نہایت ہی خونخوار اور پر خطر جنگ ہوئی جس میں محمدشاہ کو کھلی شکست نصیب ہوئی

نادرشاہ یہاں سے برابر قتل وغارت کرتا ہوا سیدھا دلی پہنچا اور ایک قتل عام کا حکم دیدیا کیونکہ نادرشاہ کی آتش مزاجی و خونخواری اور اُس کے لشکر کی خودسری و بے اعتدالی کبھی اُسے ایک مدت پر قائم نہ رہنے دیتی تھی آسکی طبیعت بالکل بہانہ جو واقع ہوئی تھی یہاں محمدشاہ کی طرف سے کوئی غلط خبر سنکر آگ بگولا ہوگیا۔ اور یہ خفیف عذر اُسکی مطلب برآری کے لئے کافی تھا پھر کیا بے گناہ دلی والوں کے سر بھٹے کی طرح اُڑنے لگے اور ہر گلی کوچے میں نادریوں کی خونریز تلواروں نے قیامت برپا کردی خدا کی بے گناہ مخلوق ایک ایسی کثیر تعداد میں قتل کیگئی کہ شاہراہوں کے راستے رُک گئے۔

اس عظیم الشان قتل وغارتگری کے بعد نادرشاہ نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دیا اور اسی کروڑ روپیہ کا مال واسباب ہندوستان سے لوٹ کھسوٹ کر ساتھ لے گیا۔ یہ کثیر المقدار اور بے اندازہ نقصان ہندوستانیوں کو صرف محمدشاہ کی

عیش پسندی اور قابل تنفر زندگی کی بدولت اٹھانا پڑا اور بادشاہ کی اس عیاشی کا ملک و قوم پر یہ اثر پڑا کہ سب لوگ کاہل اور عیاش ہوگئے بالخصوص قدسیہ بیگم کی موجودہ حالت نہایت ہی خراب اور انتہا درجہ کی ذلیل ہوگئی۔

نواب قدسیہ بیگم کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور وہ اکثر اوقات اردو زبان میں طبع آزمائی کیا کرتی تھی اس نے اپنا تخلص رعنائی رکھا تھا اس کا ایک یہ شعر مشہور اور زباں زد خاص و عام ہے ؎

ہم جانتے تھے آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا
کمبخت کیسی آنکھ لگی اور دکھ ہوا

اس بیگم نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ۱۱۶۱ہجری احمد شاہ کے عہد میں ایک نہایت موزوں اور مصفا باغ بنوایا جس کا نام اپنے نام پر قدسیہ باغ رکھا اس خوشنما اور عالیشان باغ میں ایک نہایت دلفریب بارہ دری اور ایک شاندار مسجد بھی تعمیر کی گئی جو اس وقت موجود ہے اور اپنے بانی کی شان و حشمت کی عمدہ طور پر یاد دے رہی ہے۔

قدسیہ باغ دہلی کے مشہور و معروف کشمیری دروازہ کے باہر دائیں جانب بڑے صاحب کی کوٹھی سے ذرا دورے واقع ہے یہ عالیشان اور پر شوکت باغ کسی زمانہ میں اپنی خوبی عمارت اور عظمت و شان کے لحاظ سے ہندوستانی دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ قدیم زمانہ میں جو اسکی صورت بیان کی گئی ہے افسوس وہ اب باقی نہیں رہی احاطہ کی چار دیواری جو نہایت مستحکم اور خوبصورت بنی ہوئی تھی وہ اب بالکل شکستہ اور منہدم ہوگئی ہے ہرچند کہ اسکی آراستگی اور خوشنمائی کی طرف کسی کو ذرا بھی توجہ نہیں اور ہندوستانیوں کے مذاق کے لحاظ سے کوئی دلچسپ اور نشاط انگیز بات یہاں موجود نہیں ہے مگر تاہم اسکی

بے انتہا وسعت اور فرحت انگیز عمارت دفعتہً انسان کو متحیر بلکہ مرعوب اور حیرت زدہ کر دیتی ہے۔ سایہ دار درختوں کی دو رویہ قطاریں دور تک چلی گئی ہیں اور جہاں تک نظر کام کرتی ہے سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔

حقیقت میں یہ باغ عجیب و غریب اور نہایت حیرت افزا ہے اور باوجود باغ براؤں کی بے توجہی اور کم التفاتی کے بھی ایسا تر و تازہ اور سرسبز و شاداب اور پُر فضا ہے جسکی تعریف و توصیف میں تیز رفتار قلم عاجز ہے۔ بیچ میں ایک نہر ہے جو ہر وقت صاف اور ٹھہرے ہوئے پانی سے لبریز رہتی ہے۔ اس باغ کے اندر ایک نہایت خوشنما اور عظیم الشان بارہ دری ہے اور اس میں بڑے وسیع اور دلچسپ شہ نشین ہیں مگر افسوس کہ اب یہ بارہ دری جابجا سے ڈھ چلی ہے۔ بیرونی دکھاؤ سے بیشمار برساتوں کے گذر جانے کے باعث تمام استرکاری پر ہیبت ناک سیاہی دوڑ گئی ہے اور اینٹوں پتھروں پر اکثر جگہ سبز سیاہی مائل کائی جمی ہوئی نظر آتی ہے۔ اندر سے اس کی یہ صورت ہے کہ چونہ اور استرکاری اینٹوں کو چھوڑ چکی ہے اور اب صرف گرنے ہی کی کسر باقی رہگئی ہے۔ اسکی چھتیں گو بڑی خوبصورتی اور خوشنمائی کے ساتھ بنائی گئی تھیں مگر افسوس کہ اسکی خوشنمائی اور رونق کو اس کے عروج کا زمانہ اپنے ساتھ لیتا گیا اور بخت سیہ نے اسے بھی اپنے رنگ سے رنگ دیا۔

اس عجیب اور خوشنما بارہ دری کے عقب میں ایک پائیں باغ ہے جو شادابی اور تر و تازگی میں اپنا آپ ہی نظیر ہے مگر مدتوں کی بے مرمتی اور نادرستی نازک باغبانوں کی حیرت انگیز صنعت اور تعجب ناک کاریگری کو بالکل بے رونق کئے ہوئے ہے تاہم اس کا خوش فضا اور سرسبز چمن اور پُر تکلف و آراستہ تختے اپنے بانی کے امیرانہ شوق اور اسکی حوصلہ مندی اور فیاضی کا بہت بڑا ثبوت دے

رہے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی اسکی بعض بعض موجودہ ویران حالت دیکھکر اس امیرانہ شوق پر بہت بڑا افسوس آتا ہے جس نے اس عالیشان اور پر رونق باغ کی بنیاد ڈالی تھی اسی باغ میں ایک نہایت خوش وضع او رشاندار مسجد بھی ہے جو سر سے پاؤں تک سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے تمام زمین میں پختہ فرش ہے درو دیواروں میں عمدہ پچی کاری کا کام کیا ہوا ہے اور نہایت عمدہ بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس وسیع اور خوش فضا مسجد کی عمارت پر اجمالی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تعمیر میں ایک کافی مقدار رقم صرف ہوئی ہوگی لیکن افسوس کہ اب وہ بالکل ویران اور غیر آباد پڑی ہی عمارت نہایت بوسیدہ اور خراب ہوگئی ہے صحن میں کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا رہتا ہے خاک کے تودوں نے فرش کو چھپا رکھا ہے غرضکہ وحشت اور نگرانی کی پوری تصویر ہے۔

اکبر آبادی یا اعز النساء بیگم

یہ شاہجہاں کی دوسری بیگم ہے جو اپنی دلفریب نزاکت اور دلگیر صورت میں بینظیر بھی اور حسن و جمال ناز و انداز عقل و دانش غرضکہ کسی بات میں ممتاز محل سے کم نہ تھی۔ گو ممتاز محل اپنی بعض بعض حد سے بڑھی ہوئی قابلیتوں کی وجہ سے جو اس کے ساتھ قدرتاً مخصوص نہیں ایک نہایت ہی عظمت خیز وقار اور شان و شوکت تمکین رکھتی تھی لیکن اعز النساء بیگم نے اپنے متواضعانہ اخلاق اپنی دلآویز انکساری اپنی قابل تعریف ملنساری اپنی بے مثل سنجیدگی سے شاہی حرم سرا کی تمام مستورات میں ہر دلعزیزی پیدا کرلی تھی۔ اس کی تمدنی اور تعلیمی ترقیوں نے نہ صرف شاہجہاں ہی کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا بلکہ محل کی تمام بیگمات بالخصوص ممتاز محل کی تاموراور معزز اولاد کو بھی مطیع کرلیا تھا اسنے اپنے شائستہ اخلاق اور نیک

عادات سے اپنے بہت سے دوست بنا لئے تھے اور اپنی عالمگیر فیاضی اور
تہذیب و مروت اور رحمدلی سے تمام محل پر اپنا اثر قائم کر لیا تھا چونکہ اس جمیل
اور عاقل بیگم کی طبیعت میں آزادی اور خودسری کا بہت بڑا عنصر تھا لہذا اسے
رفعت خیال ۔ قوت بیان ۔ زور کلام ۔ جوش تاثیر کا بہت بڑا حصہ حاصل تھا
اور اس کی زبان جوش اور تاثیر سے لبریز تھی لیکن یہ بات بافسوس کہنی پڑتی
ہے کہ ایک نہایت جانکاہ اور جگر خراش صدمہ نے اسکی آزادی اور خودسری
کو بالکل پامال کر دیا جس وجہ سے اب اس کی زبان میں نہ وہ تاثیر رہی
نہ وہ جوش یعنی اس کا ایک اکلوتا ہونہار لڑکا تین برس کا ہو کر مر گیا جس
کے صدمہ نے اس غریب کو سخت صدمہ پہنچایا۔

اکبرآبادی کے حالات زندگی میں جو سب سے بڑھکر قدر کے قابل بات ہے
وہ یہ ہے کہ اسکی فطرت رشک اور حسد سے بالکل بے لوث اور پاک تھی رشک
اور کینہ جو معمولاً ایشیائی مستورات میں زیادہ تر پایا جاتا ہے بالخصوص ان مستورات
میں جن کے خاوندوں کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں اکبرآبادی بیگم
میں نام تک کو نہ تھا ۔ ممکن تھا کہ اکبرآبادی بھی ان عورتوں کی طرح جن میں حسد
اور کینہ کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور جو اپنے سے زیادہ دولتمند اور مقصد کو
دیکھکر انگاروں پر لوٹنے لگتی ہیں ۔ ممتاز محل کے وسیع دولتمندی اور حیرت انگیز
عروج کو حسد و رشک کی نگاہوں سے دیکھتی لیکن اس معزز خاتون کے دل
میں کبھی اس بات کا خیال نہیں گزرا بلکہ ہمیشہ اس سے باخلاص و محبت پیش آئی ۔

اکبرآبادی بیگم ۔ ممتاز محل کے ساتھ ہمیشہ پیار و اخلاص سے رہا کرتی تھی اور
جب کبھی کسی کے اشتعال طبع سے شاہجہان اور ممتاز محل میں شکر رنجی ہو جایا کرتی
تو اکبرآبادی اپنی عاقلانہ تدبیر سے دونوں میں صفائی کرا دیا کرتی تھی ۔ اسی

وجہ سے ان دونوں ممتاز خاتونوں میں ایک ایسا ربط وضبط بڑھ گیا تھا کہ ایک کو دوسرے کے بغیر چین نہ پڑتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ممتاز محل کے انتقال کے بعد اسکی تمام اولادیں اکبرآبادی کا ویسا ہی احترام وعظمت کرتی تھیں جیسے اپنی ماں کا

ان تمام باتوں کے ساتھ ہمیں یہ تسلیم کرنا ضرور پڑتا ہے کہ شاہی محل میں جو عظمت و وقار اور شاہانہ فیاضی کا برتاؤ ممتاز محل کے ساتھ برتا جاتا وہ اکبرآبادی کے ساتھ نہ برتا جاتا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اکبرآبادی کے بطن سے اولاد نہیں ہوئی اور ہوئی تو زندہ نہیں رہی لیکن پھر بھی شاہجہاں اس سے بے اندازہ محبت کرتا تھا اور اس کی خاطرداری اور دلجوئی میں کوئی بات اٹھا نہ رکھتا تھا۔

ممتاز محل کے انتقال کے بعد اکبرآبادی کا اقتدار اور اثر شاہجہاں پر ایسا ہی ہوا جیسا کہ کسی زمانہ میں ممتاز محل کا تھا بلکہ اس سے بھی کسی قدر زائد حالانکہ شاہجہاں کی سخت مزاجی اور تلون طبع سے یہ ایک تعجب کی بات معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اکبرآبادی کے اخلاق وعادات ایسے شایستہ اور اچھے تھے کہ جس قدر ان کا اثر شاہجہاں پر ہوتا تھوڑا تھا۔

الغرض اکبرآبادی بیگم بڑی خوش قسمت اور اقبال مند خاتون تھی اس کے حق میں سب سے زیادہ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ شاہجہاں جیسا غیور اور متلون المزاج بادشاہ مرتے دم تک اس سے خوش اور راضی رہا۔ اور اس نے کبھی کوئی ایسا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اسکی بابت کسی قسم کی شکایت کرسکتا اس نے خانہ داری کے انتظام میں وہ پہلو اختیار کیا کہ کبھی کسی کو اپنے اوپر مشتبہ ہونے ہی نہیں دیا اور اپنے فرائض منصبی کو ایسی جرأت وآزادی کے ساتھ ادا کیا جس کی مثال ایشیائی سوسائٹیوں میں بہت کم ملسکتی ہے یہ سب کچھ تھا لیکن اکبرآبادی

کے عروج واقبال کا ستارہ اُسی وقت تک ترقی پذیر رہا جبتک شاہجہاں کی زندگی
کا پیمانہ لبریز نہیں ہوا مگر جب اُسکی عمر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک گیا یعنی شاہجہاں راہ فنا کا راستہ
طے کرنے پر مجبور ہوا تو اکبرآبادی کا سارا عروج واقبال خاک میں مل گیا اور اوس کا
تمام زور وقوت پامال ہو گیا۔

اکبرآبادی بیگم اگرچہ شاہجہاں کے انتقال کے بعد قریبًا بارہ سال تک زندہ رہی اور
سلطنت کی طرف سے اُسکی رعایت اور دلجوئی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا
لیکن اس سیرچشم خاتون نے اس کی کوئی پروانہ کی اور گوشہ عافیت میں بیٹھکر اپنی باقی
زندگی خدا کی یاد میں بسر کردی اور چوتھی ذیحجہ ۱۱۰۹ ہجری کو راہی عالم بقا ہوئی۔

اس بیگم نے اپنی یادگار قائم رکھنے کی غرض سے خاص دہلی متصل فیض بازار میں ایک
نہایت خوبصورت اور عالیشان مسجد تعمیر کرائی جو اکبری مسجد کے نام سے مشہور ہوئی اس
میں ایک مسافرخانہ اور طالب العلموں کے رہنے کے مکانات ہیں گو یہ مسجد اور اس
کے مکانات اب غیرآباد اور ویران پڑے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی اکبرآبادی بیگم
کی حشمت وشوکت در ودیوار سے برس رہی ہے۔

اکبری مسجد صرف اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس سے اُس کے بانی کی شان و
شوکت اور خلوص نیت کا کافی طور پر پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے
اسے بڑے ہی شوق سے تعمیر کرایا تھا گو یہ مسجد نہایت عمدہ اور خوبصورت بنی تھی
لیکن اب اس کی موجودہ ویران حالت دیکھکر اس امیرانہ شوق پر نہایت افسوس
ہوتا ہے جس نے اس عالیشان عمارت کی بنیاد ڈالی تھی۔ غرضکہ یہ عمارت اکبرآبادی بیگم
کے حوصلہ مندی کے شوق کا نتیجہ ہے جو شاہجہاں کے سامنے ہی بڑی لاگت سے
تیار ہوئی۔

شہر پناہ کے دہلی دروازہ سے آگے وقت فیض بازار میں بائیں جانب یہ مسجد واقع

ہے جو سر سے پاؤں تک سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے اس کے گرداگرد بہت سے خوبصورت مکانات اور پختہ سنگین حجرے طالب العلموں کی بساست کے لئے بنے ہوئے ہیں جن کا طول ایک سو چون ۱۵۴ گز اور عرض ایک سو چار گز کا ہے۔ یہ حجرے نہایت کشادہ اور فراخ ہیں جن میں تین چار سو طالب العلم بفراغت رہ سکتے ہیں۔ ہر حجرے کے آگے ایک ایوان ہے اور ایوان کے آگے سرتاسر چار گز کے عرض سے پختہ چبوترہ ہے جو اب کسی قدر شکستہ ہو گیا ہے۔ ضلع غربی سے ملحق اونچی کرسی دیکر مسجد بنائی گئی ہے جس کی رفعت اور شان و عظمت واقعی عجیب و غریب اور حیرت افزا ہے

اس خوبصورت مسجد کے تین بڑے بڑے برج اور سات نہایت نفیس اور موزوں محراب دار در ہیں۔ مسجد کی عمارت طول میں ترسیٹھ گز اور عرض میں سترہ گز ہے جو نری سنگ سرخ سے تیار کی گئی ہے اس کا پیش طاق سنگ مرمر کا ہے جس پر نہایت خوشنما اور پررونق پچی کاری کا کام ہے اور نہایت عمدہ بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اس کے آگے ایک سنگین چبوترہ واقع ہے طولاً ترسیٹھ گز اور عرضاً ستاون گز ہے چبوترہ کا ارتفاع پورے ساڑھے تین گز کا ہے جس پر سنگ سرخ کا بہت خوشنما کٹہرہ لگا ہوا ہے۔ صحن کے عین وسط میں ایک نہایت عمدہ حوض بارہ گز کا مربع بڑی خوشنمائی کے ساتھ تیار کیا گیا ہے جو فیض بازار کی شاہی نہر سے ہر وقت لبریز رہتا تھا لیکن جب سے یہ نہر خراب ہو گئی اس حوض میں پانی آنا موقوف ہو گیا۔

اس مسجد کے دروازہ پر ایک کتبہ بخط نسخ بڑی آب و تاب کے ساتھ لکھا ہوا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد رمضان المبارک کی اخیر تاریخوں ۱۰۶۰ھ ہجری میں بہت سے معماروں اور مزدوروں کی دو سال کی محنت کشی سے بنکر طیار ہوئی چونکہ اس کتبہ کی عبارت خالی از دلچسپی نہیں ہے لہذا ہم اس مقام میں کتبہ کی بجنسہ عبارت نقل کرتے ہیں۔

کتبہ این مسجد فیض انتما و سرائے راحت جا و حمام لطافت آباد و چوک دلکشا کہ عبادت گاہ حق پرستان روزگار روح افزائے مترددان اقطار و نزہت کدۂ آسمانیان و دار النفع زمینیان ست در عہد سعادت مہد بادشاہ اسلام کہف انام سایہ والا پایہ پروردگار خلیفہ برگزیدہ کردگار رحمت اعم ذی الجلال مظہر ایزد داریہمال ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی پرستار خاص بادشاہی پرستندہ با اخلاص ظل الٰہی موفقہ خیرات و مبرات مخدرہ سعادات و حسنات اعز النساء مشہورہ باکبر آبادی محل بفرمان معلی بنا کرد و بجہت رضاء الٰہی و اقتنائے ثواب اخروی و حاصل سری و مجبوبلی با حقوق مرافق و داخلہ و خارجہ وقف لازم شرعی نمود و مقرر ساخت کہ اگر برمت این امکنہ احتیاج افتد انچہ از حاصل این موقوف بعد الترمیم باقی ماند بخدمت مسجد و حمام طالب علم رساند و الاتمام را بجماعہ مسطور بدہند این منازل منیعہ در عرصہ دو سال بصرف صد و پنجاہ ہزار روپیہ آخر شہر رمضان المبارک سنہ ۱۰۶۰ مطابق بیست و چہارم سال جلوس عالم آرا صورت انجام پذیرفت ایزد تعالےٰ اجرایں خیر برجا و نفع باقی ہر ذرہ فرخندہ آثار بادشاہ دین پرور حق گزیں حقیقت گستر و بانی این مبانی عامرہ عائد گرداند آمین یا رب العالمین۔

اورنگ آبادی محل

یہ عصمت پناہ اور پاکدامن خاتون اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی چوتھی بیگم ہے جو ظاہری حسن و خوبی کے علاوہ باطنی حسن و جمال سے بھی آراستہ تھی اس کی بلند خیالی اور حوصلہ مندی اور بیدار مغزی پر عالمگیر جان دیتا تھا اور تمام بیگمات سے زیادہ محبت رکھتا تھا۔ عالمگیر کو جب کبھی کسی معرکہ میں جانے کا اتفاق پڑتا اس ممتاز شہنشاہ بیگم کو اپنے ساتھ لیجاتا اس نامور خاتون کی زندگی میں شاید ہی کوئی ایسا موقع گذرا

ہوگا جس میں عالمگیر نے اسکی مفارقت گوارا کی ہوگی۔

عالمگیر کی تاریخی زندگی پر نظر ڈالنے سے تحقیق کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اور مشرقی بادشاہوں کی طرح عورتوں کی زیادہ صحبت پسند نہ کرتا تہا نہ اسکی زیادہ بیبیاں تہیں کبھی اس نے اپنی راحت و عیش کے لئے زیادہ روپیہ صرف نہیں کیا بلکہ جس قدر فتوحات سے اسے روپیہ حاصل ہوتا تہا وہ یا تو فوج کی آراستگی میں صرف ہوتا تہا یا مساجد وغیرہ کی تعمیر میں۔ اس میں ایک بہت بڑی قابل تعریف بات جس نے اس کی تاریخی صفحوں کو روشن اور چمکیلا بنادیا ہے یہ تھی کہ جیسے اس کے ہاں علماء کا مجمع لگا رہتا تہا ایشیائی بادشاہوں میں کسی فرمانروائے سلطنت کو بہت کم نصیب ہوا ہے علماء کی تعظیم و تکریم اعلےٰ درجہ پر کیا کرتا تہا ضابطہ اور تحمل اس درجہ کا تہا کہ لوگوں کی بار بار کی گستاخی اور بے ادبی پر تحمل کر جاتا تہا۔

عالمگیر کے حالات زندگی کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امیرانہ عیش اور عورتوں کی زیادہ صحبت سے بالطبع متنفر تہا لیکن جب اورنگ آبادی بیگم کی سوانح عمری پر خیال دوڑایا جاتا ہے تو تعجب آتا ہے کہ اس کے پاس وہ کیا دلکش سامان تہے جنہوں نے ایسے متین اور دنیا سے متنفر بادشاہ کو اسکی طرف مائل کر دیا تہا۔ عالمگیر ایک دن میں جبتک کئی کئی مرتبہ اسے نہ دیکھہ لیتا اسے چین ہی نہیں پڑتا تہا اور اس کی تہوڑی دیر کی جدائی بہی اسے نہایت شاق اور ناگوار گذرتی تہی۔

اورنگ آبادی کے بطن سے صرف ایک لڑکی مہرالنساء بیگم پیدا ہوئی جو بڑی ہو کر عالمگیر کی چاروں لڑکیوں سے زیادہ تیز ہوش اور عالی دماغ ہوئی یہ نامور شہزادی تین صفر ۱۰۷۱ ہجری میں پیدا ہوئی اور جوان ہو کر ایزد بخش فرزند مراد بخش سے بیاہی گئی۔ اس کے بطن سے تین بچے بہی پیدا ہوئے مگر افسوس تینوں شیرخوارگی حالت میں مر مر گئے۔

نواب مہرالنساء بیگم بڑی تیز ہوش اور عاقلہ خاتون تھی اور چونکہ صاحب طریقت تھی اس لئے زیب النساء بیگم سے ہمیشہ اس کی نوک جھوک رہا کرتی تھی اور اکثر اوقات کسی نہ کسی مسئلہ میں خوب زور شور سے بحث ہوا کرتی تھی اور جب ان دونوں کی بحث میں زیادہ طول پہنچ جاتا تھا تو خود عالمگیر ان میں نہایت آزادانہ اور منصفانہ فیصلہ دیا کرتا تھا۔ اسے لیکچر دینے کا بھی بڑا شوق تھا مستورات کے بڑے بڑے مجمعوں میں ایسے پرزور اور موثر لیکچر دیتی کہ سننے والے دنگ ہو جاتے اور اس کی عالمگیری فصاحت پر تمام لوگ عش عش کر جاتے۔ اس کی قادر الکلامی اور زور طبیعت کی دھوم نہ صرف شاہی محلوں میں پھیلی ہوئی تھی بلکہ بیرون محل میں بھی ہو گئی تھی۔

مہرالنساء کے اخلاقی خیالات اور نصیحتانہ لیکچروں سے محل میں اتنا اثر ڈالا کہ اکثر مستورات کے خیالات میں ایک قسم کی فوری تبدیلی واقع ہو گئی اور جن مسلمان مستورات میں بہت سی ہندوانی رسمیں رواج پکڑ گئی تھیں یا اُن کی طرز معاشرت شریعت کے برخلاف باتیں پائی جاتی تھیں یک لخت اٹھ گئیں۔ جب محلسرا کی مستورات میں کوئی باہمی تنازعہ ہوتا تو مہرالنساء ہی اُس میں فیصلہ دینے کے لئے منتخب کی جاتی۔ الغرض یہ پرمغز اور ہوشیار خاتون چالیس برس کی عمر کو پہنچ کر سنہ ۱۱۱۶ ہجری میں انتقال کر گئی۔ درحقیقت اگر اورنگ آبادی بیگم کی زندگی میں اس روشن دماغ اور عالی ہمت بیگم کا انتقال ہوتا تو اس کا جانگداز صدمہ اُسے جیتے جی دنیا سے محض بے علاقہ کر دیتا۔ اورنگ آبادی کی بہت بڑی یادگار ایک نہایت خوشنما اور عالیشان مسجد ہے جو دہلی کے ایک مشہور مقام پنجابی کے کٹرہ میں واقع ہے۔ یہ کٹرہ اصل میں سوداگروں کا مسکن تھا جس میں مختلف شہروں کے سوداگر اور تجارت پیشہ آکر ٹھہرا کرتے تھے اس کی آبادی اور لباسات میں زیادہ تر انہی لوگوں کی گنتی کی جاتی تھی اسی وجہ سے یہ مقام پنجابی کے کٹرہ کے

نام سے مشہور ہوگیا۔
اس کٹرہ میں ایک نہایت دلگیر اور خوبصورت مسجد ہے جس کے در و دیوار سے اورنگ آبادی
کی شان و شوکت اور عظمت و جلال آشکارا ہے یہ مسجد سرتاپا سنگ سرخ سے بنی
ہوئی ہے نازک خیال معماروں نے اس میں اپنی حیرت انگیز صناعت کے وہ جوہر دکھائے
ہیں جن کے دیکھنے سے شان خدا یاد آتی ہے۔ ابتدا میں اس کا صحن نہایت وسیع
اور فراخ تھا اور عام منظروں میں ایک نہایت ہی بارونق اور دلچسپ منظر تھا گو اب
اس میں وہ خوبی اور خوشنمائی باقی نہیں رہی کیونکہ لوگوں نے اسکی بہت سی زمین
اپنے مکانوں میں شامل کرلی ہے مگر پھر بھی ایک نہایت موزوں اور خوش فضا
قطعہ ہے جو ناظرین کو خود بخود اپنی طرف مائل کرتا ہے۔
یہ اورنگ آبادی ہی کی نیک نیتی اور خوش قسمتی کا نتیجہ ہے کہ اس مسجد میں معمول سے زیادہ
مسلمان لوگ اپنا منصبی فرض بڑی جرأت اور آزادی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اوقات
نماز میں نہایت کثیر التعداد جماعتیں حاضر رہتی ہیں۔ اسی مسجد میں ایک عرصہ دراز تک
مولوی عبدالخالق اور مولوی نذیر حسین صاحب محدث نے ہزارہا طالب العلموں کو حدیث
کا درس دیا ہے۔ رات دن میں کوئی ایسا موقع مشکل سے ملتا تھا کہ یہاں حدیث کی
درس و تدریس کا چرچا نہ ہوتا ہو۔ یہ سب باتیں اس قسم کی تھیں جن سے اورنگ آبادی
کی روح ہمیشہ ترو تازہ اور مسرور رہتی تھی اور جب تک اُس کی یہ یادگار قائم ہے
ہمیشہ تک یوں ہی مسرور و شاداں رہے گی۔ شہروں اور عمارتوں کے حالات
میں اس مسجد کا بہت ذکر ہے نیز تاریخی کتابوں میں جہاں کہیں عالمگیر اور اورنگ آبادی
کا ذکر مندرج ہے وہاں اس باشان و شوکت اور عظیم الشان مسجد کا حال بھی ضرور
ہوتا ہے۔ سید احمد خاں بہادر نے آثار الصنادید میں اس کی بابت بہت کچھ لکھا
ہے اور اسکی عمارت کا ایک نہایت سچا اور پورا نقشہ بھی دیا ہے۔

آئی بیگم

یہ شریف اور امیرزادی بیگم نجابت خاں ابن سربلند خاں کی عزیز اور پیاری بہن ہے۔ نجابت خاں عالمگیری فوج کا ایک نہایت معزز اور ممتاز جنرل تھا جس نے بہت سی خونخوار جنگوں اور خطرناک معرکوں میں اپنی شجاعت و بہادری کے نمونے اور جگری کے جوہر دکھا کر عالمگیر کو اپنا فریفتہ بنا لیا تھا۔ شاہ عالمگیر نجابت خاں کو اس کی ذاتی شرافت اور تعجب ناک شجاعت کی وجہ سے بہت چاہتا اور اُس کی پاک دامن بہن کو اپنی پیاری شہزادیوں سے کسی طرح کم نہ سمجھتا تھا۔ خاص شاہی محل میں اگر کسی معمولی تقریب پر بھی کوئی خوشی منائی جاتی تھی تو آئی بیگم کو اوس میں بڑی خوشی سے شریک کیا جاتا تھا۔ محلسرا کی تمام مستورات اس سے بہ محبت پیش آتیں اور عالمگیر کی لڑکیاں انتہا سے زیادہ اسکی عظمت و توقیر کرتیں۔

مجھے اس مقام پر بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ اس بیگم کے مفصل حالات نہیں ملے اور جو تاریخیں میرے سامنے رکھی ہیں اُن کے صفحات اس کے حالات زندگی سے کورے ہیں البتہ اس قدر پتا ضرور ملتا ہے کہ بیگم کا انتقال ۱۰۸۴ھ میں ہوا۔ عالمگیر کو اس کے انتقال کی خبر سنکر ویسا ہی افسوس اور افسوس کے ساتھ صدمہ ہوا جیسا کہ اپنے کسی عزیز کا ہوتا ہے۔ نامدار خاں کو شاہی دربار سے حکم دیا گیا کہ نجابت خاں کو بلایا جائے یہ اسوقت ایک مہم کے سر کرنے کے لئے دکن گیا ہوا تھا۔ بہن کے انتقال پر ملال اور بادشاہ کی طلبی کی اطلاع پا کر بہت تھوڑے عرصہ میں آحاضر ہوا۔ عالمگیر نے نہایت خوش آیندہ الفاظ میں اسکی تسلی کی اور بیش قیمت خلعت دیکر ماتمی لباس اتروایا۔

یہ افسوس کی بات ہے کہ نجابت خاں اپنی عزیز بہن کے انتقال کے وقت اس

کے پاس موجود نہ تہا اور اس ناموجودگی اور آخری وقت میں اس سے نہ ملنے کا افسوس اسے ہمیشہ رہا۔

بخت النسا بیگم

یہ شریف اور پاکدامن خاتون ہمایوں بادشاہ کی عزیز و چاہیتی لڑکی اور اکبر بادشاہ کی بہن ہے جو علاوہ حسن و جمال کے عقل و دانائی کے لئے نہ صرف ہندوستان قریبًا تمام ایشیائی دنیا بالخصوص مشرقی حصوں میں زیادہ ممتاز و مشہور ہے۔ یہ بیگم حوصلہ مندی۔ بلند نظری۔ جوش۔ ہمت۔ غرضکہ تمام شریفانہ اوصاف اور مہذبانہ اطوار میں اپنا جواب نہ رکھتی تہی اس کی طرز معاشرت اور تمدنی حالت اور خانہ داری کی انتظامیہ کیفیت بیان سے باہر ہے اس کی مہماں پرستی اور خوش اخلاقی کی نظیر ایشیائی بیگمات میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

بخت النسا بیگم کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ تہے۔ غرور و نخوت۔ ترفع اور کم بینی نام کو نہ تہی۔ اس کے متواضعانہ اخلاق اور فیاض طبعی کی شہرت تمام جہان میں پہیل گئی تہی اور اسکی سیر چشمی اور مہماں نوازی کی دہوم ایک عالم میں مچی ہوئی تہی اور یہی زیادہ قوی اسباب تہے جنہوں نے ہمایوں بادشاہ کو اس کا دالہ و شیدا بنا دیا تہا۔ ہمایوں کو جس قدر الفت و محبت اپنی اس فیاض اور خلیق بیٹی سے تہی دوسرے سے نہ تہی اور یہی وجہ تہی کہ وہ ہر وقت اس کی دلجوئی میں رہتا تہا اور کبہی کوئی ایسی بات نہ کرتا تہا جو اس کی نازک اور سنجیدہ طبیعت کے برخلاف ہو یا اُسکے اشتعال طبع کا باعث ہو۔

اس جمیلہ خاتون کی معاشرت اور طرز زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ پسند اور قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفاست پسندی اور عالی دماغی کے

فضول شان و شوکت اور بے نتیجہ تزک و احتشام کا نام نہ تہا جب کبھی تفریح
طبع کے لئے بازار میں نکلتی تو نہایت سادہ لباس سے آراستہ ہوکر معمولی حیثیت
سے نکلتی پہر یہ سادگی کچھ لباس ہی میں منحصر نہ تہی بلکہ خاص اُس کے محل
اور معاشرت کی تمام چیزوں میں پائی جاتی تہی گویا اس کی فطرت بالکل
سادہ طور پر واقع ہوئی تھی اور وہ سادگی ہی کو پسند کرتی تھی۔
حقیقت میں بخت النساء کی یہ سادگی اور فروتنی زیادہ قابل قدر اور لائق
تقلید ہے کہ باوجودیکہ اُسنے برسوں تک ایک عظیم الشان اور باوقار
سلطنت کے سایہ میں پرورش پائی اور پہر بھی اپنا سادگی پن اور فطری
خلق نہ چھوڑا۔ بخت النساء بیگم بازاروں اور عام سیرگاہوں اور جنگل و
باغات کے دلچسپ اور نشاط انگیز منظروں میں بآزادی پہرا کرتی تھی تیز
دعوت کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کرتی تھی لیکن
باوجود اس آزادی کے حفظ و احتیاط کے دائرہ سے کبھی سرمو متجاوز
نہیں ہوئی جس متانت و شرم اور احترام سے یہ پاکدامن خاتون مردوں
کے جلسوں میں شریک ہوتی دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا تہا کہ یہ عورت
نہیں ہے بلکہ عصمت و عفت کی دیبی ہے۔
بخت النساء بیگم کے چہرہ سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تہا بیان
میں نہیں آسکتا جس انداز سے وہ گھوڑے پر سوار ہوتی تھی جیسا صورت
سے متانت و وقار ٹپکتا تہا جیسا شاہانہ جاہ و جلال اس کے ہیبت سے
برستا تہا اُس کا کسی طرح کافی طور پر اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی تجربہ کاری
اور پختگی رائے کے ڈنکے چار دانگ عالم میں بجگئے تہے ہمایوں اور اکبر
اکثر اوقات بڑی بڑی مہموں اور مشکلوں میں اس سے مشورہ لیا کرتے

اور جو کچھ یہ رائے دیتی اسی کے مطابق عمل میں لاتے مجھے یہاں ایک تمثیلی واقعے کے لکھنے کی ضرورت ہے جس سے بخت النساء بیگم کی تجربہ کاری اور اصابت رائے کا بڑی خوبی سے اندازہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی بخوبی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ بیگم تمدنی حالت اور معاشرتی طرز میں کس درجہ قابل اور نیکنام تھی اور ہمایوں اور اکبر کس وجہ سے اس کی قدر و منزلت کیا کرتے تھے۔ سنہ ہجری میں جب اکبری جھنڈے دکن کی تسخیر کے لئے اٹھے تو اکبر شاہ نے شہزادہ محمد سلیم یا جہانگیر کو شاہنشاہی کا خطاب عنایت کر کے ولیعہدی تفویض کی اور رانا کے چتوڑ کے قلع قمع اور استیصال کی مہم شاہزادہ کے نامزد کی۔ جہانگیر ایک نہایت خونخوار اور خونریز فوج اور دلیر و شجاع افسروں کو ساتھ لیکر عازم مہم ہوا جب اجمیر کے قریب پہنچا تو وہاں کے سرسبز و شاداب و خوشنما منظر اور پر لطف و دلچسپ مقامات نے اسے بے اختیار اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جہانگیر نے ان عجیب خوشنما منظروں کو جو انسانی زندگی کی دلچسپی کے لئے ازبس ضروری تھے اور طبیعت کی شگفتگی پر ان کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا تفریح طبع کے لئے بہت پسند کیا اور ان پر فضا مقامات سے جہاں ہر وقت اور ہر لحظہ تازہ اور لطیف ہوا کے جھونکے صحت بدنی کو بہت کچھ فائدہ پہنچاتے تھے اس کا دل بہت بہلا لہذا وہ خود تو ان دلفریب مقامات کی سیر و شکار میں مصروف ہوا اور جرار و صف شکن فوج کو بدقسمت رانا کی تقدیر کا آخری فیصلہ کر دینے کے لئے چتوڑ روانہ کیا۔

اسی اثناء میں اکبر شاہ نے ایک بڑی خونخوار فوج سے دکن پر چڑھائی کی جہانگیر کے بعض فتنہ جو اور فساد انگیز مصاحبوں نے اسے صلاح دی کہ

بادشاہ کا مہم دکن میں مشغول ہونا اور اس قدر دور دراز مسافت کا طے کرنا حضور کے لیے گویا ایک نہایت مبارک اور نیک فال ہے یہ وقت آپ کے لئے مغتنمات سے ہے۔ راجہ مان سنگھ کو بنگالہ کی طرف روانہ کیجئے اور خود آگرہ پہنچکر وہاں کے پرگنوں اور جاگیروں کو اپنے تصرف میں لاکر ایک عظیم الشان خزانہ فراہم کیجئے۔

جہانگیر نے ایام شباب کے تقاضے اور احباب کی خام مصلحت کی وجہ سے راجہ مان سنگھ کو بنگالہ رخصت کیا اور چتوڑ کی مہم بالکل غیر مکمل اور ناتمام چھوڑکر آگرہ کی طرف روانہ ہوا راستہ میں جو صوبے اور پرگنے پڑتے گئے یہ سب کو اپنے قبض و تصرف میں لاتا گیا اور ایک نہایت شتابانہ حرکت کے ساتھ آگرہ کے قلعہ پر آدھمکا۔ قلیج خاں جو اندنوں قلعداری کے عہدہ سے ممتاز تہا اور ایک نہایت پر مغز اور مدبر فوجی افسر کہلایا جاتا تہا قلعہ سے نکلا اور چند بیش قیمت تحفے و زنی نذرانے پیشکش کرکے اپنی عقیدت و فدویت کا اظہار کیا۔ جہانگیر ان کے وفادارانہ جوش اور اور جاں نثارانہ کوشش سے بیحد خوش ہوا اور اپنی طرف سے قلعداری کا منصب عطا کرکے رخصت کیا اور ساتہہ ہی حکم دیدیا کہ ہر طرف سے قلعہ کے بندوبست و انتظام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے۔

اکبر کی والدہ جو جہانگیر پر جان چھڑکتی تھی اور اکبر سے زیادہ اس سے محبت والفت رکھتی تھی جہانگیر کی اس خودغرضانہ کارروائی اور اسکی مغرور ذلیل ندیموں کی بغاوت انگیز اغوا کی خبر سنکر شہزادہ کو پند و نصیحت کرنے اور اس کے اس نفرتناک انقلاب کو اپنے حال پر عود کرانے کی غرض سے قلعہ سے برآمد ہوئی۔ جہانگیر جب اس سے مطلع ہوا تو بلحاظ ادب و خجالت

اپنے خاص خاص ندیموں کو ساتھ لیکر کشتی پر سوار ہوا لشکر کو تو خشکی کے راستہ سے روانہ کیا اور خود تری کی راہ سے الہ آباد کی طرف متوجہ ہوا اکبر کی ماں نہایت افسوس کے ساتھ قلعہ میں واپس آئی اور اسے جہانگیر کی اس بے عنوانی پر رنج اور رنج کے ساتھ سخت افسوس ہوا۔

جہانگیر کی اس خودسری اور اس کے ناحق شناس ندیموں کی تمردی و بغاوت کا چرچا چند روز میں عام ہو گیا اور شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ یہ آواز اکبر کے کان میں بھی پڑ گئی۔ ہرچند کہ ایک زبردست اور پر رعب حکومت اس قسم کی بے عنوانیوں کا ہرگز تحمل نہیں کر سکتی تھی لیکن اکبر دور اندیش عقل کی تمامی سے اپنی حوصلہ مندی اور بلند نظری کو استعمال میں لایا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس رنج اور رنج کے ساتھ غصہ کو پی گیا۔ ممکن تھا کہ وہ اس وحشت اثر خبر سے آپے سے باہر ہو جاتا اور جہانگیر کو نہیں تو اس کے دغا باز اور فریبی ندیموں کی منصوبہ انگیزی کی سزا ضرور دیتا مگر اس نے اس موقع پر نہایت ضبط اور استقلال سے کام لیا فوراً ایک عنایت آمیز فرمان اپنے ہاتھ سے لکھا اور خواجہ محمد عبدالصمد شیریں قلم کے فرزند محمد شریف کے ہاتھ روانہ کیا۔

محمد شریف۔ شہزادہ جہانگیر کا ہمکلاس اور ہم سبق تھا اور ایک عرصہ تک اس کے ساتھ کھیلے ہوئے تھا جہانگیر کے پاس پہنچا تو جہانگیر نے اس کا استقبال کیا اور بڑی گرمجوشی سے ملکر نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ محمد شریف نے واپ شاہی سے پابند ہو کر معمولی مزاج پرسی کے بعد اکبر کا خط دیا۔ جہانگیر نے اول سے آخر تک بڑے غور کے ساتھ خط کا مضمون پڑھا اور اس بارہ میں اپنے ندیموں اور مصاحبوں سے مشورہ لیا۔ سب کی یہ رائے قرار پائی کہ شہزادہ کا باپ کی قدمبوسی میں حاضر ہونا بہرصورت خالی از تردد نہیں لہذا

جہانگیر نے اپنا منشا و ارادہ محمد شریف پر صاف طور سے ظاہر کر دیا اور خود اسے بھی اکبر کے پاس واپس جانے سے باز رکھکر اپنا وکیل السلطنت مقرر کر دیا۔

یہ خبر پہنچتے ہی اکبر کی طبیعت دکن کی مہم سر کرنے سے بالکل اچاٹ ہو گئی بیشک اگر اکبر چند روز دکن میں اور قیام کرتا تو اکثر نظام الملکی اور عادل شاہی قلعوں اور شہروں کو ضرور فتح کر لیتا لیکن اس وحشتناک خبر نے اس کا دل اس قدر اچاٹ کر دیا کہ اب وہاں ایک دن بھی ٹھیرنا دوبھر پڑ گیا۔ آخر کار اس نے خانخاناں اور شیخ ابو الفضل کو برہان پور میں چھوڑ کر دار الخلافہ آگرہ کا قصد کیا اور نہایت عجلت اور سرگرمی کے ساتھ کوچ بکوچ یہاں آ پہنچا۔ جوں ہی جہانگیر کو اس کی اطلاع ہوئی ووں ہی فوج کے فراہم کرنے اور لشکر کو مرتب کرنے میں زیادہ مصروف ہوا اور چالیس ہزار مسلح سوار اور آلات حرب کے ساتھ آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ رستہ میں اکبر کے بہت سے صوبوں اور جاگیرداروں کو لوٹ کھسوٹ لیا اور جو مقابل ہوا اس کا سر خونخوار تلوار سے کاٹ ڈالا گیا۔ صوبہ بہار میں اکبر کے جس قدر جاگیردار تھے سب کی طرف سے اکبری دربار میں استغاثے دائر تھے اور دن بدن ہوتے جاتے تھے اور جہانگیر کی خودسری کی روزانہ خبریں ایک ایک کر کے بادشاہ کے گوش گزار کی جاتی تھیں لیکن اکبر جسکی فطرت میں سنجیدگی اور متانت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی ان ناگوار باتوں کے جواب میں بجز تلطف آمیز کلمات اور شفقت افزا جملوں کے اور کچھ زبان پر نہ لاتا تھا۔

لیکن جب مظلوموں کی فریادیں اور جفاکشوں کے استغاثے حد سے تجاوز ہو گئے اور سلطنت کے انتظام حکومت کے بندوبست میں ایک بہت بڑی خلل اندازی واقع ہوئی اور انقلاب عظیم برپا ہوا نیز اکبر کی وہ شادمانی و خوشوقتی جو جہانگیر کی ملاقات سے وابستہ تھی وحشت و رنج کے ساتھ بدلنے لگی تو اس نے ایک

فرمان باین مضمون جہانگیر کے پاس روانہ کیا۔

قرۃ العین نور الابصار بعافیت باشند

ہرچند کہ مجھے تمہارے دیدار کا اشتیاق اسدرجہ ہے کہ میں اسے کسی طرح تحریر میں نہیں لاسکتا تمہارا صرف اپنے مشتاق باپ کی زیارت کے لئے اس حشمت و شوکت کے ساتھ آنا محبت اثر خاطر پر شاق اور ناگوار گذرتا ہے اور اس جاہ و تجمل کے ظاہر کرنے اور لشکر و سپاہ کے پیش کرنے سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں تمہاری اس خداداد ترقی کو وقعت کی نگاہ سے دیکھوں اور تمہارے اعزاز و احترام کو بڑھاؤں تو یہ مطلب اس کے بغیر بھی برآسکتا ہے تمہیں مناسب ہے کہ اس زیادہ بھیڑ بھاڑ کو الہ آباد رخصت کردو اور تنہا حاضر ہوکر اپنے باپ کی ہجراں نصیب آنکھہ کو منور اور کبیدہ و رنجیدہ دل کو خورسند کرو۔ اور اگر بدخواہوں کی یادہ گوئی سے تمہارے ذہن میں کسی طرح کا وسوسہ اور توہم پیدا ہوگیا ہے تو فوراً الہ آباد روانہ ہوجاؤ اور کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاؤ جب اس توہم اور وسوسہ کے نقوش تمہارے دل سے مٹ جائینگے بلاتردد اپنے باپ سے ملاقات کرسکوگے باقی دعا الراقم جلال الدین محمد اکبر

جہانگیر ابھی اٹاوہ ہی میں تھا کہ یہ خط پہنچا۔ خط پڑھکر نہایت ہی متذبذب اور متردد ہوا اور اسی وقت ایک مفصلہ ذیل عرضداشت لکھکر روانہ کی۔

خداوند و مرشد و قبلہ من سلامت

میرا بجز قدمبوسی اور آرزوے ملازمت کے اور کوئی اندیشہ و ارادہ جو بدگویوں اور عیب جویوں کے دل و زبان پر ہے نہ تھا لیکن جبکہ حضور کا ارشاد یوں ہے تو اب فدوی کو بجز اسکے اور کوئی چارہ نہیں کہ خداوند کے حکم کے آگے گردن تسلیم خم کردے اور چند روز حضور سے جدا رہکر ملازمت قدمبوسی حاصل کرے فقط نورالدین محمد

جہانگیر اس خط کی روانگی کے ساتھ خود بھی روانہ الہ آباد ہوگیا اور چند روز توقف کرکے مستقل بادشاہ بنگیا۔ اسی اثنار میں جہانگیر کو معلوم ہوا کہ شیخ ابوالفضل بادشاہ کے حکم سے دکن سے واپس آتا ہے چونکہ جہانگیر کی نظر میں علامہ ابوالفضل کے بعض اطوار نہایت نفرت انگیز اور قابل اعتراض تھے اور اسیواسطے وہ تنہائی میں کبھی کبھی کہا بھی کرتا تھا کہ "معشوق بدقسمت ابوالفضل کی صحبت نے میرے دو کو بھائیوں اور تیسرے باپ کو کہیں کا نہ رکھا اور اس کے الحاد و دہریت نے سچ پوچھو تو میرے معزز خاندان کے نام کو بٹا لگا دیا" نیز اسوقت اُسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ ابوالفضل میرے باپ کے پاس پہنچکر ضرور ہی زہر اگلے گا اور جہانتک بن پڑیگا میری بدخواہی میں کوئی بات اٹھا نہ رکھے گا۔ بہتر ہوگا اگر میں اسکے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی اسکا کام تمام کردوں۔

جہانگیر نے یہ منصوبہ دل میں گانٹھ کر راجہ نرسنگہ کو جس کا وطن گوالیار کے متصل ہی تھا رخصت وطن کی شہرت سے اُدہر روانہ کیا اور خفیہ اشارہ کردیا کہ ابوالفضل کے گوالیار پہنچنے سے پہلے تو اپنے تئیں وہاں پہنچا دیجیو اور راستہ ہی میں اُس کا محاصرہ کرکے یکایک اور اچانک ٹوٹ پڑیو اور جہانتک قابو چلے اس ملحد اور دہریت کی زندگی کی شاخ کاٹ ڈالنے میں ذرا بھی دریغ نہ کیجیو۔ راجہ نرسنگہ نے جہانگیر کے حکم و ارشاد کے مطابق عمل کیا۔ ایک بڑی عاجلانہ جنبش کی اور گوالیار پہنچکر شیخ ابوالفضل کے پہنچنے سے پہلے ایک محفوظ گوشہ میں چھپ بیٹھا جوں ہی ابوالفضل اور اس کا لشکر نمودار ہوا اس نے عقب سے ایک نہایت زبردست اور سفاکانہ حملہ کیا اور بخبر علامہ کا فوراً کام تمام کردیا۔

جہانگیر نے اپنی سوانح عمری یعنی جہانگیرنامہ میں شیخ ابوالفضل کی نسبت خود لکھا ہی کہ "چونکہ ملحدوں کا مقتدا ابوالفضل میرے والد کی بدنامی کا بہت بڑا باعث

ہو گیا تہا اس لیئے میں نے اُس تبہ کار کا اس تدبیر سے کام تمام کر ڈالا۔ الغرض اکبر کو اس وحشت ناک خبر سے بہت صدمہ ہوا ہر چند کہ اُس کے دل میں جہانگیر کی طرف سے بہت بڑے بڑے خیالات پیدا ہو گئے تہے لیکن ظاہر میں اُس نے پہر بھی بڑے تحمل اور وقار سے کام لیا اور اپنی اصابت رائے سے سلیمہ سلطان بیگم جو جہانگیر کی ماں تھی اور دانائی و کارروائی اور سخن سنجی میں سحر آفرین تھی جہانگیر کی تسلی و ہدایت کے لئے بہیجا۔ بیگم جب الہ آباد کے قریب پہنچی تو جہانگیر ایک حشمت انگیز دبدبہ اور زرتیز کوکبہ کے ساتھ شہر سے باہر آیا اور فرزندی کی ادائیں فدویت کے قوانین ظاہر کرکے اپنی ماں کو شہر میں لے گیا اور بڑی شان وشوکت سے لے گیا یہاں بیگم کو جب قدرے اطمینان ہوا تو اُس نے بادشاہ کا التیام آمیز پیغام دیا اور ایک ایسا محبت انگیز افسوں پڑہا کہ جہانگیر والد کی قدمبوسی میں حاضر ہونے کے لئے راضی ہو گیا کیونکہ والدہ کی غمگساریوں نے اس کے تمام تذبذبات و تردوات دل سے مٹا دیئے تہے۔ سلیمہ سلطان بیگم اپنے فرزند کو ساتھ لیکر اکبر آباد آئی اور اکبر کی والدہ کی امداد اور دستگیری سے شہزادہ کو باپ کے قدموں میں ڈالدیا اکبر نے کمال لطف ومہربانی سے جہانگیر کا سر اُٹہایا اور بغلگیر ہو کر بہت دیر تک پرنم آنکہوں سے آنسو بہاتا رہا فرزندانہ برتاؤ کے بعد اکبر نے بڑی فیاضی سے ہزار اشرفیاں نچہاور کیں اور سات کوہ پیکر ہاتی اور مختلف قسم کے بیش قیمت جواہرات اور مرصع آلات عطا کئے اور اپنا عمامہ سر سے اُتار کر جہانگیر کے سر پر رکہدیا۔ نیز از سرنو مستقل ولیعہدی کی خوشخبر اور مبارکبادی سے ممتاز کیا۔ چند روز تک سارے شہر میں بڑی دہوم دہام سے پر لطف جشن ہا اور چاروں طرف عیش وعشرت کے بازار لگے رہے۔

اس کے بعد مہم رانا بدستور سابق جہانگیر کے نامزد ہوئی اور دسہرے کے روز

اکبر نے اسے رخصت کیا ایک بڑا جرار اور خونخوار لشکر جہانگیر کے ہمرکاب تھا اور مشہور نامی امرا دلیر و بہادر افسروں کا ہجوم اس کے پہلو بہ پہلو تھا۔ جہانگیر بڑی شان و شوکت اور عجیب آن بان سے روانہ ہوا چونکہ عقب سے ایک اور بڑا لشکر اور خزانے کا انتظام تھا۔ اس لئے جہانگیر کو فتح پور میں ٹھیرنا ضرور تھا یہاں متصدیوں کے تغافل سے خزانے کے روانہ کرنے میں تاخیر ہوگئی اور باوجود چند روز گذر جانے کے بھی خزانہ فراہم نہ ہوسکا۔ بھلا کیونکر ممکن تھا کہ شہزادہ جہانگیر کی جبلہ جو طبیعت اس تاخیر کو گوارا کرسکتی فوراً بگڑ بیٹھا اور نہایت برہم و افروختہ ہوکر بادشاہ کو ذیل کے مضمون کی ایک عرضی دہر گھسیٹی۔

فلک جناب کیواں مآب دام ظلہٗ

چونکہ حضور کے غافل و کاہل متصدیوں نے اس مہم کے ضروری اور لازمی اسباب کے سرانجام دینے میں سخت تساہل برتا اور یہ عقیدت مند جو خداوند کے حکم کو خدا تعالےٰ کے حکم سے کبھی کم نہیں سمجھتا فرمان والاشان کے صادر ہوتے ہی شہر سے نکلکر فتحپور میں قیام پذیر ہوا اس بات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ افسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ روز مجھے انتظار ہی انتظار میں گذر گئے لیکن اس وقت تک مہم کی سرانجامی کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ لہذا غلام محض بے خطا ہے نیز مجھے کامل تحقیق اور پورے یقین کے ساتھ معلوم ہوگیا ہے کہ مطالب ضروری کی درخواست میں بھی یساجت و لجاجت مکرر عرض کرنا اور دولت مدار متصدیوں کفایت شعار کارپردازوں کی حضور سے شکوہ و شکایت کرنا اپنے تئیں محض حقیر و بے اعتبار کرنا ہے حالانکہ یہ ایک ایسی قابل تنفر اور لایق اعتراض بات ہے جو اس عظیم الشان حکومت کے لئے کسی طرح موزوں اور زیبا نہیں اور یہ امر ایک عالم پر روشن و ہویدا ہے کہ رانا کی مہم ایک نہایت جانخراش

اور دل گداز مہم ہے اس کا وسیع ملک اور عظیم الشان پہاڑوں کی دشوار گذار راہیں بغیر وافی خزانے اور کافی لشکر کے سر نہیں ہو سکتیں چونکہ بار بار سماجت و لجاجت کا استعمال کرنا حضور کے ملال خاطر اور اپنی حقیقت و تحقیر کا قوی باعث ہے اس لئے فدوی کی التماس ہے کہ اس عقید تمند کو چند روز کے لئے اپنی جاگیر میں پہلے جانے کی اجازت دیجئے تاکہ وہاں سے ان تمام باتوں کا کافی انتظام کر کے خدمت ماموره کے بجالانے میں کوشش کرے۔

عرضی نور الدین محمد سلیم

یہ عرضی پڑھکر اکبر کو سخت ملال اور انتہا سے زیادہ رنج ہوا اس وقت اس نے چاروں طرف متجسسانہ نظریں ڈالیں کہ کون ایسا شخص ہے جو اپنی عقل و دانائی اور اصابۂ رائے سے شہزادہ کی دلجوئی میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کرے اور اس کے اس خیال کو اپنی پرمغز اور عاقلانہ گفتگو سے شکست دیدے مگر اسکی نگاہ میں کوئی ایسا شخص نہیں آیا انجام کار اسکی پرشوق نظریں بخت النسا بیگم پر پڑیں اور وہ اس اہم اور وقت آفریں مہم کے سر کرنے کے لئے منتخب کی گئی۔ بخت النسا بیگم اپنے ساتھ دو ایک نہایت تیز عقل اور طباع ارکان سلطنت اور معزز عہدہ دار لیکر جہانگیر کے پاس پہنچی اور اپنے پیارے بھتیجے کی تسلی اور دلجوئی میں بیحد کوشش کی ہر بات کے فراز و نشیب اور اتار چڑھاؤ سمجھانے اور ہر قسم کے نتائج پر غور دلایا لیکن افسوس جہانگیر کی سمجھ میں خاک نہ آیا اور اس نے اپنے بزرگوار باپ اور قابل احترام پھوپی کی تمام آرزوؤں پر ناکامی کا پانی پھیر دیا انجام کار اس افلاطون منش خاتون نے طوعاً و کرہاً اپنے بھتیجے اور ضدی بھتیجے کو الہ آباد رخصت کیا اور بہزار مایوسی محل میں واپس آئی۔

اس طول واقعہ کے لکھنے سے میری صرف اتنی ہی غرض تھی کہ بخت النسابیگم اپنی بیدار مغزی اور بلندی نظری اور تجربہ کاری میں اس درجہ مشہور تھی کہ اکبر جیسے متین اور سنجیدہ بادشاہ کے اس قدر وسیع دربار اور محل میں کوئی متنفس اس کے رتبہ کو نہ پہنچ سکا تھا اس لئے اکبر نے اس مشکل کام کے سرانجام دینے کے لئے اس جمیل اور عاقلہ بیگم کو منتخب کیا۔

بہار بانو بیگم

یہ انتہا سے زیادہ حسین اور پریچہرہ بیگم نورالدین جہانگیر بادشاہ کی نہایت پیاری اور عزیز لڑکی تھی اس کے حسن وجمال اور ساتھ ہی علم وفضل کا شہرہ تمام ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا بادشاہ کو نسبتاً تمام اولاد میں یہ بیگم بہت ہی پیاری تھی اسی واسطے اس کے مزاج میں تند خوئی اور درشتی بہت زیادہ تھی محلسرا کی تمام بیگمات اس کے بیحد غیظ وغضب سے ہر وقت ترساں وخائف رہتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہر بات میں اس کی خوشی اور دلجوئی مدنظر رکھتی تھی۔

جب بہار بانو بیگم سن بلوغ کو پہنچی تو جہانگیر نے بڑے تزک واحتشام سے ۱۰۲۵ھ ہجری میں اسکی شادی شہزادہ طہورث پسر شہزادہ دانیال کے ساتھ کردی۔ نکاح کے بعد اس روز کی سامان کی کیفیت جو لڑکی کے رخصت کرنے کا دن تھا قابل دید اور یادگار زمانہ ہے۔ عام طور پر شہر کے تمام بازار آراستہ تھے دوکانیں مغرب سے جگمگا رہی تھیں۔ درختوں پر ہزار ہا زربفت اور زریں تھان لپیٹ دئے گئے تھے سڑکوں اور عام شاہراہوں پر دو رویہ مخمل بچھا دیگئی تھی نوشہ کی آمدورفت کے لئے جو راستہ مقرر کیا گیا تھا

اس کے دونوں طرف فوجیں دور دور تک صف آرا کھڑی تہیں یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل ایک میل سے زیادہ تک تھیں اور ان کی وضع و لباس سے عجیب شان و شوکت اور عظمت و جلال کا اظہار ہوتا تہا اور یہ فوجی دریا اُس میں لہریں لے رہا تہا۔

جس وقت شہزادہ طہمورث ایک عظیم الشان بادشاہ کی چاہیتی بیٹی کو بیاہنے چلا ہے وہ وقت بھی زیادہ حشمت انگیز تہا اور ایک ایسا عجیب و غریب سماں تہا جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا

جب فوج کا تانتا ختم ہوا تو اخیر میں شہزادہ طہمورث آیا او عجب شان و شوکت فوجی لباس سے جسم آراستہ تہا کمر میں ایک تلوار بندھی تھی اگرچہ سن تھوڑا ہی تہا لیکن جس انداز سے وہ کوہ پیکر ہاتھی پر سوار تہا اور اس کے چہرہ سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تہا بیان میں نہیں آسکتا۔ چند بڑے بڑے نامور اور معزز فوجی افسر رکاب میں تہے ہاتھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تہا اور ہر قدم پر مبارکبادی کا اس زور سے نعرہ بلند ہوتا تہا کہ سارا میدان گونج اُٹھتا تہا۔

الغرض اس شان و شوکت اور آن بان سے شہزادہ طہمورث محل میں داخل ہوا۔ اور ایک بڑے معزز اور ممتاز جماعت کے سامنے اس کا نکاح شہزادی بہار بانو بیگم سے کر دیا گیا۔ جو جہیز جہانگیر نے بہار بانو بیگم کو دیا اسکا اندازہ کسی طرح سے نہیں ہو سکتا۔ شادی کے بعد جہانگیر کو شہزادہ طہمورث سے بیحد الفت ہو گئی تہی اور اب وہ اسے بہار بانو بیگم سے کسی طرح کم نہیں سمجھتا تہا۔ علاوہ ان انعامات کے جو مختلف جشن اور فتوحات کی خوشی کے موقعوں میں سلطنت کی طرف سے اُسے عطا ہوتے رہتے تھے

بارہ لاکھ روپیہ سالانہ ہمیشہ ملا کرتا تھا۔ لیکن سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شہزادی بہار بانو بیگم کو اس عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے اور ان حشمت انگیز سامانوں کی بہار لوٹنے کا بہت کم اتفاق پڑا یعنی عین عالم شباب میں اس فانی اور ناپائدار دنیا سے رہگرائے سفر آخرت ہوئی۔

بائی اودیپوری

یہ عفیفہ اور پاکدامن خاتون راجہ اودیپور کی عزیز و چاہیتی بیٹی ہے اس حوروش اور پری پیکر رانی کو قدرت نے وہ دلگیر صورت او زرا ہد فریب حسن عطا کیا تھا جسکی نظیر مشرقی حصوں میں ہزار تلاش و جستجو کے بعد بھی نہیں ملسکتی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ رانی اودیپوری جس طرح حسن خوبصورتی میں بے مثل اور لاجواب تھی اسی طرح عقل و دانائی اور فہم و فراست میں بھی منتخب تھی اس کے حسن کے عالمگیری نے بڑے بڑے راجاؤں اور شہزادوں کو اپنا شیدا بنالیا تھا۔ جو نسبت کسی راجہ یا شہزادہ کی اس نا زنین کی آتی تھی راجہ خود اسکی رائے دریافت کرتا تھا اور یہ بالا بالا اس کی تحقیق کرتی تھی اس عرصہ میں کہ اسکی عمر اٹھارہ سال کی ہوگئی اور کوئی بات قرار نہیں پائی۔

چونکہ بائی اودیپوری ہتیار بند اور شجاع تھی او رمردوں کے پہلو بہ پہلو داد مردانگی دیتی تھی اس لئے راجہ کی طرف سے اسے بالکل آزادی حاصل تھی یہ اکثر اوقات گھوڑے پر سوار ہوکر بازاروں اور باغات و جنگلات میں سیر کرتی پھرتی اور جب کوئی عظیم الشان جنگ پیش آتی تو مسلح ہوکر میدان میں جاتی اور شجاعت و بہادری کے حیرت انگیز نمونے دکھاتی۔ جو جو خوبیاں

ایک اعلیٰ درجہ کی حسین و خوبصورت اور بہادر عورت میں ہونی چاہئیں وہ سب اس خاتون میں موجود تہیں۔

الغرض اب بائی اودے پوری کی عمر قریباً پچیس برس کی ہو گئی اور اس نے اپنے لئے کوئی خاوند تجویز نہیں کیا اور کرتی کیونکر قدرت نے تو اُس کی قسمت میں عالمگیر جیسے عظیم الشان بادشاہ کے پہلو میں بیٹھنا اور کفر کی ظلمت خیز تاریکی سے نکلکر آفتاب اسلام کے نورانی سایہ میں زندگی بسر کرنا لکھا تہا پہر یہ کیونکر ممکن تہا کہ وہ نوشتہ تقدیر کے برخلاف اپنی قسمت کا فیصلہ کسی دوسرے شخص کے ہاتہ میں دیتی

جب عالمگیری فتوحات کے جہنڈے دکن میں گڑ چکے اور وہاں کے کل اضلاع و اقطاع بادشاہ کے قبضہ میں پورے طور پر آ چکے تو اب عالمگیر نے راجپوتوں کی سرکشی اور بغاوت کی آگ بجہانے کی طرف توجہ کی اور سب سے پہلے اجمیر کی طرف رُخ کیا جس کا فتح کر لینا اس کے لئے ضرور تہا۔ خاص اجمیر میں ایک بہت بڑی خونریزی ہوئی اور ایک عظیم الشان جنگ سے سارا جنگل سرخ ہو گیا۔ اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد عالمگیر کا ارادہ دار الخلافہ میں واپس آنے کا ہوا لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنی عنان توجہ دار الخلافہ کی طرف موڑے تعلقہ جودہ پور اور سرکش راجپوتوں کے دیگر پرگنوں کو اُسنے بہت جلد جلد فتح کر لیا جودہ پور کے مسلسل پہاڑوں کی گہاٹیاں اور اُن کی پیچ در پیچ اور دشوار گذار راہیں گو بظاہر سخت معلوم ہوتی تہیں مگر جب اس عقلمند اور صاحب اقبال بادشاہ کی تلوار چلی تو بہت جلد اُن علاقوں میں عالمگیری فتح کا پہریرا ہوا میں فراٹے بہرنے لگا۔

عالمگیر خاص اجمیر اور اُس کے اضلاع کو فتح کر کے جودہ پور کی طرف بڑہا لیکن راجا نے اس کی خونریز فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر چند معتبر اور زبان دان

وکیل مع بہت سے لاوبی تحفوں کے عالمگیر کی خدمت میں روانہ کئے اور ایک عرضی بایں مضمون لکھکر روانہ کی۔

عالیجاہا شوکت پناہ

آپ کا غلام نہایت عاجزی اور لجاجت سے عرض کرتا ہے کہ میں نے اس بغاوت کی آگ بھڑکانے میں ہرگز اشارہ نہیں کیا نہ میرا منشا تھا البتہ بعض خودسر اور متمرد راجپوتوں کے بعض پیچیدہ معاملات سے یہ کیفیت پیدا ہوئی ورنہ خدانخواستہ نہ میں باغی ہوں نہ میں نے بغاوت کا اعلان دیا ہے میں بدستور سابق حضور کے حکم پر گردن تسلیم خم کرکے حاضر اور مقررہ جزیہ دینے کے لئے موجود ہوں دو تین پرگنہ زر جزیہ کے عوض اپنے ملک۔ قبضے سے نکالکر حضور کے خدام کو تفویض کر دیتا ہوں اور علانیہ کہتا ہوں کہ اب سے راجہ جسونت کے فرزندوں کی اعانت و امداد میں کبھی بھول کر بھی قدم نہ رکھوں گا۔ لہذا امید ہے کہ حضور میری گذشتہ لغزشیں معاف کریں گے اور میری اس عرضداشت کو خلعت قبولیت سے آراستہ کرکے مجھے معزز و ممتاز فرمائیں گے۔

نیک نہاد اور رحمدل عالمگیر نے رانا کی اس تقصیر سے چشم پوشی کی اور اس ضلع کے باقی بندوبست اور انتظام کے لئے خان جہاں بہادر کو چھوڑکر خود دارالخلافہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ہنوز تھوڑے ہی دن گذرے تھے جو خبر آئی کہ رانا نے راجپوتوں کی ایک کثیر التعداد فوج جمع کرکے بغاوت کا اعلان دیا اور بغاوت و سرکشی کے جھنڈے اونچے کئے عالمگیر جیسا رحمدل اور نیک مزاج تھا ویسے ہی تندخو اور جوشیلا بھی تھا اس وحشتناک خبر کے سنتے ہی اُس کے تن بدن میں غصہ کی آگ لگ گئی اور رگوں میں جوش غضب خون کی طرف دوڑنے لگا

اُس نے اسی وقت بدقسمت رانا کی تادیب و گوشمالی اور دیگر بدمآل و ناعاقبت اندیش راجپوتوں کے استیصال اور بیخ کنی کا قصد کیا اور عجیب فوری جوش کے ساتھ اجمیر کی طرف بڑھا۔

اسی اثنا میں پادشاہزادہ محمد معظم کے نام فرمان جاری ہوا کہ دکن سے عاجلانہ جنبش کر کے اجمین میں آپہنچے اور حکم ثانی کا منتظر رہے ادہر دوسرے پادشاہزادے محمد اعظم کی طلبی میں حکم صادر ہوا کہ بنگالہ کو بہت جلد چھوڑ کر اجمیر چلا آئے اور جب عالمگیری فوج اجمیر کے قریب پہنچی تو پادشاہ نے شہزادہ محمد اکبر کو رانا کی تنبیہ و تادیب کے لئے منتخب کیا اور ایک خونخوار فوج کا بڑا بھاری دستہ دیکر اُدھر روانہ کیا۔

رانا کو جب یہ خبر ہوئی تو اس نے اودیپور کو جو اُس کا دار السلطنت تہا اپنے ہاتھ سے ویران و تباہ کر ڈالا اور خزانہ اور اہل و عیال اور راجہ جسونت اور رعایا کو ساتھ لیکر پہاڑوں کی دشوار گذار گہاٹیوں اور تیرہ و تاریک دروں میں جا چھپا۔ عالمگیر نے بڑے بڑے تجربہ کار فوجی افسروں اور فلاطون منش امرا کو شاہزادہ محمد اکبر کے رکاب میں معین کر کے حکم دیا کہ بے دہڑک پہاڑوں کی مسلسل اور پیچ در پیچ گہاٹیوں میں گہسکر کفار کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اور رانا کو معہ اُسکے اہل و عیال کے زندہ گرفتار کر کے حاضر خدمت کرے۔

شاہزادہ محمد اکبر تو رانا کے تعاقب میں گیا اور عالمگیر نے بہت سے دلاوروں کو رانا کے ملک و زراعت کے تاخت و تاراج اور پامال کرنے کے لئے روانہ کیا اتنے میں خبر آئی کہ شہزادہ محمد معظم اجمین میں آپہنچا۔ عالمگیر کی طرف سے ایک فرمان بایں مضمون جاری ہوا کہ تالاب آناساگر کی طرف بڑھ آئے اور اپنے وفادار اور جان نثار لشکر او تعلقہ رانا میں پہیلا دے اور جس متعلم

آبادی اور لبساست کا اثر ظاہر ہو بہادروں کے اژدہا پیکر گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالا جائے اور کوئی متنفس زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اسی اثنا میں اطلاع دی گئی کہ پادشاہزادہ محمد اعظم چار مہینے کی راہ ایک مہینے سے کم میں طے کر کے خدمت عالی میں حاضر ہوا کہ اپنی جنگی اور جرار فوج کو کوہستانی راہوں اور دروں میں متعین کر کے رانا کے پرگنوں میں قتل و عام کے حکم دے اور راجپوتوں کی بیخ کنی اور ان کے اموال کی تاخت و تاراج کرنے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھے۔

اس وقت رانا اور راجپوتوں کی امداد میں تقریباً پچیس ہزار سوار فراہم ہو گئے تھے جنہوں نے عالمگیری افواج کے مقابل جانبازی کی شرط ادا کی لیکن محمد اعظم کا جو فوجی دستہ پہاڑی دروں کی پشت پر ایستادہ تھا وہ اپنے افسر کا اشارہ پاتے ہی عقب سے ان پر ٹوٹ پڑا اور چاروں طرف سے محاصرہ کر کے انہیں بیدریغ قتل کرنا شروع کیا۔ بہادروں کی خونخوار تلواروں سے ہزاروں راجپوتوں کے جسم بے سر ہو گئے اور سارا جنگل خون سے لبریز ہو گیا یہ جنگ ایسی گھمسان کی تھی کہ راجپوتوں میں سے ایک شخص بھی جانبر نہیں ہو سکا اور سب کے سب اس خونی دریا میں غوطہ لگا لگا کر ٹھنڈے ہو گئے جب میدان صاف ہو گیا تو عالمگیری افواج پہاڑوں کے دروں میں بے خوف و خطر گھس گئے اور جو سامنے آیا تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا گیا جتنے کہ رانا مع اہل و عیال کے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ عالمگیر کے لشکر میں فتح کے نعرے اس قدر بلند ہوئے کہ سارا میدان گونج اٹھا اور خوشی کے شادیانوں نے بہادروں کے دلوں میں ایک عجیب جوش و سرور پیدا کیا۔

جب رانا کے لشکر کو شکست ہوئی تو منجملہ ان قیدیوں کے جو عالمگیر کے

دربار میں زندہ گرفتار ہوکر آئے تبھی ایک رانی اودیپوری بھی تھی جسے عالمگیر جیسا سنجیدہ اور باوقار بادشاہ بھی دیکھکر حیرت زدہ ہوگیا ہرچند کہ عالمگیر کی نگاہ اس کافر ادا حور وش پری پیکر کے استقبال کو ایک بڑی بے تابی کے شوق سے آگے بڑہی تھی مگر اس کی راسخ الاعتقادی اور مذہب کی پابندی نے اسے بڑی بدمزگی کے ساتھ واپس کر دیا۔ اس وقت عالمگیر کا چہرہ ان لوگوں کے دیکھنے کے قابل تہا جو چہرہ کے فوری تغیرات کو ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں عالمگیر کے انتہا سے زیادہ زہد واتقا نے اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ کوئی اس کے چہرہ پر نظر ڈالے اور اس کے ان فوری تغیرات کو پاسکے۔

عالمگیر اس حسن کی دیبی کو دیکھتے ہی اٹھ کہڑا ہوا اور اس کے ایما سے بائی اودیپوری کو محل شاہی میں داخل کر دیا گیا۔ عالمگیر نے اس حسین وخوبصورت اور ذہین و طباع خاتون کا موقع و بے موقع ہر بات میں امتحان لیا اور ہر امر میں اسے قابل و لایق پایا انجام کار اُسے اپنی بیگموں کے سلسلہ میں جگہ دیکر ممتاز کیا اور اب وہ عالمگیر کی بیگم مشہور ہوگئی۔ بائی اودیپوری نہ صرف اپنی ظاہری حسن و خوبی سے بلکہ اپنی خداداد قابلیت اور اپنی شائستگی و تہذیب سے اور بیگمات کی نسبت عالمگیر کی بہت پیاری اور چاہیتی بی بی ہوگئی۔

بائی اودیپوری کے بطن سے شہزادہ محمد کام بخش پیدا ہوا۔ جو بڑا ہوکر عقل و دانائی اور علم وفضل میں اپنے تمام بہائیوں سے سبقت لے گیا۔ شہزادہ محمد کام بخش دسویں رمضان ۱۰۷۷ھ ہجری کو پیدا ہوا اور شاہی سایہ میں پرورش پائی اُسے عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی زبان میں بہت بڑی مشق ہوگئی تہی کتب متداولہ پر پوری دستگاہ حاصل تہی شجاعت سخاوت اور دیگر اخلاق

میں کافی حصہ رکھتا تھا۔ عالمگیر کے انتقال کے دو سال بعد تیسری ذیقعدہ کو راہ گرائے سفر آخرت ہوا۔

بائی بھوٗت دی

یہ پاک طینت اور نیک سیرت خاتون راجہ کشتور کی بیٹی ہے جس کے روز افزوں حسن اور ترقی پذیر علم وادب کا چرچا اس عہد میں گھر گھر پھیلا ہوا تھا اور جس کی تاریخی زندگی بیشک اس قابل ہے کہ ہم اپنے ہموطن خاتونوں کے آگے عفت وعصمت اور علم وفضل کا ایک سچا نمونہ قرار دیکر پیش کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔

یہ ایک تعجب اور تعجب کے ساتھ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مورخوں نے اس نیک فطرت اور مہذب خاتون کے ابتدائی زندگی کے حالات کا پتا لگانے کی طرف بہت کم توجہی کی ہے ورنہ ہمیں بغیر تردد معلوم ہوتا کہ اسنے کیونکر اور کس طرح علوم وفنون کو حاصل کیا اور اس کی اس خداداد شہرت اور فطری قابلیت کے ظاہر ہونے کا کیا سبب ہوا لیکن تاہم اس قدر یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ بائی بھوٗت دی اپنے عہد کی ایک نہایت مہذب تعلیم یافتہ اور بہادر خلیق نیز اپنے وقت کی ایک بہت بڑی فیاض وخیراور مہماں پرست عورت تھی ہرچند کہ اس کا باپ مہاراجہ کشتور بھی بڑا سخی اور کریم النفس شخص تھا لیکن جو فیاضی اور غربا ومساکین کی خبرگیری میں اسکی دلچسپی بڑہی ہوئی تھی اس میں راجہ اپنی اکلوتی اور پیاری بیٹی کی کبھی برابری نہ کر سکا۔

اس امر کے ملاحظہ کرنے سے ناظرین کو تعجب ہوگا کہ بائی بھوٗت دی کی

تہذیب اور طرز معاشرت میں علمی برکتوں اور فیاضیوں سے بہت بڑا انقلاب اور حیرتناک تغیر و تبدل ہو گیا تھا۔ گو وہ ایک ہندو گھر میں پیدا ہوئی اور ہندو ہی خاندان میں نشو و نما پایا لیکن اُسکی طرز معاشرت اور تمدنی حالت جسقدر بھی تھی وہ سب نرالی اور انوکھی طرز کی تھی۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ہندو مستورات کو دیگر اقوام سے سخت تعصب و تنفر ہوتا ہے لیکن یہ ایک نہایت ہی عجیب بات ہے کہ اس عاقلہ خاتون کو مسلمانوں سے بالکل تعصب نہ تھا بلکہ ان کی قدر و منزلت اور شان و شوکت کا اثر اس کے دل میں موجود تھا اور مرتے دم تک باقی رہا۔ اُسے مسلمانوں کی ترقیوں اور ان کی دینی و دنیاوی کامیابیوں پر حسد نہ تھا مگر ہندوؤں کے تنزل و پستی سے کسی قدر رنج ضرور ہوتا تھا۔

بائی بھوت دئی جیسی فطری شوخ تھی ویسی ہی سنجیدہ اور متین بھی تھی علی ہٰذ القیاس جیقدر ابتدا میں تندخو اور تیز مزاج تھی اُسی قدر اُسے وقار و تمکنت اور تحمل و بردباری کا حصہ بھی قدرت سے ملا تھا اور چونکہ علمی فیاضیوں اور تعلیمی برکتوں سے کافی طور پر بہرہ ور ہو چکی تھی اس لئے آزاد خیالی۔ بلند نظری۔ حوصلہ مندی۔ زندہ دلی یہ سب باتیں اُس میں پیدا ہو گئی تھیں جو تعلیم قدیم کا لازمہ ہیں۔

اس پاکدامن اور عصمت پناہ خاتون کو ایک مدت تک شادی کرنے سے انکار رہا وجہ یہ کہ جن امیرزادوں نے اپنی نسبتیں اس کے پاس بھیجیں اس نے ان میں سے ایک کو بھی قابل و لائق نہیں پایا ہر چند کہ بعض مستورات نے بہت بڑی کوشش کی کہ بائی بھوت دئی کو شادی پر آمادہ کریں مگر اُس نے کبھی اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کیا بلکہ بعض بعض موقع پر صاف

جواب دیدیا کہ جب مجھے ہر طرح سے آزادی دیدی گئی ہے اور میرے جملہ
حقوق محفوظ کردیئے گئے ہیں تو مرتے دم تک کبھی اپنے لئے جاہل شوہر تجویز
نہ کرونگی اور چونکہ میں نے اب تک ہر شخص کو ناقابل پایا اس لئے انکار کردیا
حقیقت میں اگر ہم بائی بھوت دئی کی علمی ترقیوں اور تعلیمی فیاضیوں نیز اس
کی تمدنی حالت اُس کی معاشرتی طرز اُسکی بلند نظری وروشن دماغی اُسکے
ان تمام حیرتناک کارناموں پر غور ہیں اور نصفت پسند نظر ڈالتے ہیں جو وقتاً
فوقتاً اُس سے صادر ہوتے رہے تو ہمیں عموماً یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ
بیشک اُس سے اچھی نازک دماغ اور فیاض وحوصلہ مند عورت ہندستان
کو بہت کم نصیب ہوئی ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ بائی بھوت دی
علمی برکتوں کی مجسم تصویر تھی اور عالمانہ وقار کا قائم رکھنا اُس پر ختم ہو گیا تھا
جیسا کہ ہم سابقاً ذکر کر آئے ہیں کہ بائی بھوت دی کی ابتدائی زندگی
کے حالات کا پتا لگانے میں مورخین نے بہت کم توجہ کی ہے جس سے
ہم اُسکی پوری لائف کی خوشنما تصویر ناظرین کو دکھانے سے محض قاصر ہیں
اسی طرح ہمیں یہاں بھی بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ مورخین کی بے پروائی
سے ہم یہ بھی نہیں جان سکے کہ اُس کے درمیانی زندگی میں کون کون
واقعات اور حوادثات پیش آئے۔

ہمیں یہ بھی بالکل معلوم نہیں ہوا کہ بائی بھوت دئی کی شادی کس سنہ میں ہوئی
اور شادی کے وقت وہ کس قدر عمر رکھتی تھی علی ہذا القیاس ہم یہ بھی نہیں
بتا سکتے کہ تیموری خاندان میں وہ کس طرح داخل ہوئی کیا اس کے باپ
راجہ کشتوار نے بطور ہدیہ عالمگیری دربار میں اُسے بھیجا یا کسی معرکہ میں زندہ
گرفتار ہو کر یہاں تک پہنچی لیکن اسقدر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ

ایک زمانہ کے بعد اور غالباً جبکہ عالم شباب نے پختگی حاصل کرلی ہوگی ہم
ہم اُسے شہزادہ محمدؐ سلطان ابن عالمگیر بادشاہ کے محل میں پاتے ہیں جب
بائی بھوت دی شہزادہ محمدؐ سلطان کے نکاح میں آئی تو اُسے اس سے
کمال محبت والفت پیدا ہوگئی اور چند ہی روز میں جانبین سے وہ مقناطیسی
جذب وکشش پیدا ہوئی کہ ایک کو ایک سے لمحہ جدائی بھی نہایت شاق
وناگوار تھی۔ شہزادہ محمدؐ سلطان اس نیک سیرت خاتون کی ہر ہر ادا پر جان
دیتا اور بات بات پر قربان ہوتا تھا۔ شہزادہ محمدؐ سلطان عالمگیر کا سب
سے بڑا اور چاہیتا بیٹا تھا جو چوتھی رمضان ۱۰۴۹ھ ہجری کو نواب بائی کے
بطن سے پیدا ہوا یہ شہزادہ ایک ایسی حیرتناک تربیت ومعاشرت کے ساتھ
متصف تھا جس سے حوصلہ مندی بلند خیالی دقیق نظری جوش ہمت غرض
تمام شریفانہ اوصاف اور شرائف آداب پیدا ہوتے تھے فارسی زبان کے
علاوہ ترکی اور عربی میں پوری مہارت رکھتا تھا اور ہر قسم کے علمی مذاق سے
اسے انتہا سے زیادہ دلچسپی تھی شجاعت اور دلیری اسکی فطرت میں گویا
قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی اکثر معرکوں میں اس نے وہ داد شجاعت
دی اور بہادری کے جوہر دکھائے جس سے تاریخی صفحات ابتک روشن
ومنور پائے جاتے ہیں سچ پوچھئے تو بائی بھوت دی کے لئے یہ بڑی
خوش قسمتی کی بات ہے کہ اس نے ایک ایسے قابل ولائق شخص کے
پہلو میں نہایت خوشی اور شادمانی کے ساتھ زندگی بسر کی جو علم وہنر کی
مجسم تصویر تھا اور جس سے اچھا نازک دماغ بلند حوصلہ عالی ہمت آزاد
خیال ایشیائی دنیا کو بہت کم نصیب ہوا لیکن افسوس کہ اس فخر روزگار
اور قابل یادگار نے عین عالم شباب میں یعنی جبکہ اُس کی عمر صرف تئیس

برس کی تھی شنلہ ھ میں انتقال کیا اور اپنے پس ماندگوں کو ہمیشہ کیلئے ایک بہت بڑا داغ دے گیا۔

بچھنی بیگم

یہ عقیل و جمیل بیگم سلطان بلند اختر کی عزیز بیٹی اور محمد شجاع ابن شاہجہاں شاہ کی چاہیتی پوتی ہے جو حسن و جمال کے علاوہ نہایت متین و سنجیدہ اور صاحب عقل و شعور تھی۔ اس بیگم کو اپنے محل کے چمن میں آبیاری کرنے اور درختوں کے سینچنے کا بڑا شوق تھا اس کا عام قاعدہ تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر اور معمولاً تلاوت قرآن سے محظوظ ہوکر آفتاب نکلنے سے پیشتر اپنے محل کے چمن میں آبیاری کرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی خود اپنے نازک ہاتھوں سے چھوٹے چھوٹے خوشنما پودوں کو لگاتی اور درختوں کو بڑی موزونیت اور ترتیب کے ساتھ درست کرتی تھی پیوند چڑھاتی اور کیاریوں کو باقاعدہ بناتی تھی غرضکہ آفتاب نکلنے سے پہلے پہلے وہ ان تمام کاموں سے فارغ ہوجاتی تھی۔

بچھنی بیگم اپنے تمام فرائض منصبی کو خود بڑی جرأت اور آزادی کے ساتھ ادا کیا کرتی نہ تو اُسے کسی کام کرنے سے عار ننگ آتی نہ کسی کام میں اپنی خواصوں اور ملازموں کی محتاج اور منتظر رہا کرتی۔ بلکہ جو کام کرنا منظور ہوتا خود نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ کرتی اور اس کی تکمیل کو اپنا فرض خیال کرتی تھی قدرت سے اسے متانت و سنجیدگی کا وہ حیرتناک و تعجب خیز حصہ ملا تھا جس سے اس کی فطرت و تہذیب میں ایک بہت بڑا تغیر و تبدل ہوگیا تھا اس لئے اس کا زیادہ وقت خاموشی اور سکوت میں صرف ہوتا تھا

اور اسی کو وہ اچھا بھی جانتی تھی لیکن افسوس اس بلند خیال اور آزاد بیگم کو ہوش سنبھالتے ہی زمانے کا سب سے بڑا اور سخت جانکاہ ظلم سہنا پڑا کہ تھوڑی ہی سی عمر میں یتیم ہو گئی اور یہ جفا و ستم کا پہاڑ اُس پر دفعتہً ایسا پھٹ پڑا جس نے اس کی تمام خوشی و آزادی کو دفعتہً خاک میں ملا دیا اور اُس کے پر شوق ارمانوں اور حیرت انگیز ولولوں پر نا امیدی و مایوسی کا پانی پھیر دیا گو اس کے والد کے انتقال کے بعد اس کے سامان عیش میں کسی طرح کا فرق نہ آیا اور وہی حشمت انگیز اور زرخیز سماں اُس کے لئے مہیا کیا گیا مگر اب بچھنی بیگم کی طبیعت وہ جوش و آزادی جو سلطان بلند اختر کے سامنے تھی بالکل نہ رہی تھی اُس کا دل بالکل اُس پھول کی طرح کملا گیا تھا جو آفتاب کی سخت اور تیز دھوپ کھا کر زمین پر گر پڑتا ہے اور اس کے ہر ہر پنکھڑی کے نیچے سینکڑوں شوق حسرتوں سے گلے مل مل کر رویا کرتے اور ہزاروں تمنائیں خاک کے تلے تڑپا کرتی ہیں۔

بچھنی بیگم کے سر سے اُس کے عزیز و مہربان باپ کا یوں اچانک سایہ اُٹھ جانا درحقیقت اس کے لئے ایک ایسا جانگداز صدمہ اور جگر خراش واقعہ تھا جس نے اُس کی کمر کو بالکل دوہرا کر دیا تھا۔ اگر ایسے نازک اور مصیبت انگیز وقت میں عالمگیر جیسا رحمدل و نیک نہاد شخص اُس کی دستگیری اور غمگساری نہ کرتا اور اُس کے ساتھ رحمانہ و فیاضانہ برتاؤ نہ برتتا تو بیشک بچھنی بیگم کی زندگی کا خاتمہ ہی ہو جاتا کیونکہ قدرتاً اس کی طبیعت ایسی نازک واقع ہوئی تھی کہ ان جیسے صدموں کا کبھی تحمل نہ کر سکتی تھی۔ خود بچھنی بیگم اکثر کہا کرتی تھی کہ "جو مصائب زمانہ اور حوادث روزگار مجھے پیش آئے ہیں اگر ان میں حضرت عرش مکانی میرے غمگسار نہ ہوتے تو میری زندگی کا خاتمہ ہی ہو جاتا"

مورخین کا بیان ہے کہ اونتیسویں ربیع الاول ۱۰۷۰ھ ہجری آخر شب کو عالمگیر کے

پاس خبر پہنچی کہ سلطان بلند اختر رہگزائے عالم بقا ہوا عالمگیر کو اس وحشتناک خبر سے سخت رقت ہوئی اور بے انتہا رنج ہوا۔ اسی وقت خوجہ مسعود کو حکم دیا گیا کہ سلطان بلند اختر کے تینوں لڑکوں اور تمام محلسرا کی بیگمات کو نہایت تحفظ اور احتیاط کے ساتھ قلعہ احمد نگر میں پہنچا دیا جائے اور مرحوم کی لڑکی بجھنی بیگم کو نہایت تسلی اور دلجوئی سے محل خاص میں لایا جائے۔ عالمگیر کے ارشاد کے مطابق جب بجھنی بیگم محل خاص میں حاضر کی گئی تو بادشاہ دربار سے اٹھکر محل میں آیا اور بجھنی بیگم کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ ''بیٹا! تو ہرگز یہ نہ سمجھ کہ سلطان بلند اختر دنیا سے اٹھ گیا میں تیری دلجوئی اور تسلی میں بلند اختر سے کسی درجہ کم ثابت نہ ہوں گا میں آج سے تجھے اپنے فرزندوں سے زیادہ سمجھوں گا اور تیرے ساتھ وہی برتاؤ برتوں گا جو ایک مہربان باپ اپنی لایق و قابل اولاد کے ساتھ برتتا ہے تیری آزادی میں کوئی خلل انداز نہ ہوگا اور تیری شادمانی اور خوشی کے اسباب مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے گا،، عالمگیر تسلی آمیز الفاظ کہہ رہا تھا۔ ادھر بجھنی بیگم کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی اور اسکی آنکھوں میں تمام عالم سیاہ اور تیرہ و تاریک نظر آتا تھا لیکن پھر بھی اس نے اپنی طبیعت پر بہت زور ڈالا اور اپنے تئیں سنبھال کر عالمگیر کے قدموں میں ڈالدیا اس نے آداب شاہی کے قواعد اور فدویت کے آئین ظاہر کر کے بکمال لجاجت عرض کیا کہ ''خدا تعالیٰ حضور کو ہمارے سر پر ہمیشہ زندہ و سلامت رکھے اور فدویوں کو توفیق دے کہ آپ کے حکم و ارشاد سے سرمو تجاوز نہ کریں بیشک مجھے اپنے والد کے انتقال کا انتہا سے زیادہ صدمہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حضور کی یہ دلنوازی اور عزت افزائی گویا ہم غمزدوں کے کاری زخموں کے واسطے ایک برقی اثر مرہم ہے جس نے ہمارے

سارے تم غلط کر دیتے" بچمنی بیگم یہیں تک کہنے پائی تھی کہ عالمگیر نے بڑی انکساری اور ہمدردی کے ساتھ اُس کا سر اُٹھایا اور بچمنی بیگم اور بلند اختر کے تینوں فرزندوں کو بیش زر و جواہر اور ماتمی خلعت عطا فرما کر رخصت کیا۔

سلطان بلند اختر جو عالمگیر کا بھتیجا اور محمد شجاع ابن شاہجہاں کا عزیز بیٹا تھا اگرچہ عالمگیر کا سخت مخالف تھا لیکن عالمگیر کو اس کے مرنے کا اتنا ہی صدمہ اور قلق ہوا جیسا اپنے فرزند شہزادہ محمد سلطان کا یہی سلطان بلند اختر اپنے باپ محمد شجاع کی افواج کا ایک بڑا بہادر جنرل اور خونریز افسر تھا اور عالمگیری حملے بڑے زور شور سے برابر روک رہا تھا محمد شجاع کی تمام خونخوار فوجوں کی کمان اسی کے ہاتھ میں تھی اور یہی بار بار عالمگیر کی بہادر فوج کا مقابل رہا اگرچہ اسے چند پے درپے اور متواتر شکستیں ہوئیں مگر وہ بار بار کی شکستوں سے کبھی کچا نہیں ہوا اور انتہا سے زیادہ نقصان اُٹھانے کے بعد بھی جنگ سے کبھی اس کی طبیعت اچاٹ نہیں ہوئی۔

عالمگیر کے رحیمانہ اخلاق اور فیاضانہ عادات کی یہ ایک عام اور بدیہی نظیر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی ویسے ہی خوش اخلاقی اور فیاضی سے پیش آتا تھا جیسے دوستوں اور بہی خواہوں سے۔ یہ انتہا درجہ کی جہالت بلکہ سخت ناانصافی اور بے ایمانی ہے جو بعض متعصب موزخوں نے اُس خدا شناس اور رحم دوست بادشاہ کو ظالم و جابر لکھا ہے۔ اگر وہ اس نامور بادشاہ کے حالات پر بنظر انصاف غور کریں گے تو انہیں پورے طور سے اس بات کا کافی ثبوت ہو جائے گا کہ ہم جو الزامات اُس منصف اور عادل بادشاہ پر لگاتے ہیں وہ محض بے بنیاد اور صرف ہمارے ہی تعصب وہٹ دھرمی کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ ایک منصف مزاج اور نصفت پسند شخص کو ان کی اس تحقیر آمیز حرکتوں سے سخت

رنج اور افسوس ہوتا ہے لیکن جو قوم ایک مدت تک ذلت کے ساتھ اسلام کی زبردست اور فاتحان اسلام کے قدموں تلے رہ چکی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا یہ سلوک بیجا نہیں ہے مورخین کی بے توجہی سے ہمیں یہ بالکل معلوم نہیں ہوا کہ اس عفت کیش خاتون کی شادی کس سے ہوئی اور کب ہوئی نہ ہمیں اس کی تاریخ وفات کا کہیں پتہ چل سکا جس کا ہمیں سخت رنج اور رنج کے ساتھ افسوس ہے۔

بیگم سلطان

یہ بہادر اور حوصلہ مند خاتون ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور کی نہایت عزیز و پیاری بیٹی ہے جو شجاعت و مردانگی اور سخاوت و فیاضی میں اپنے زمانہ کی تمام مستورات سے مستثنیٰ اور ممتاز تھی اس کے حسن و خوبصورتی اور پر مغزی و ہوشیاری کے ڈنکے تمام ہندوستان بالخصوص دکھنیوں میں بڑے زور شور سے بج رہے تھے اور شجاعت و بہادری کی دھوم ایک عالم میں مچگئی تھی۔

سنہ ہجری میں جب اکبر فاتح ہندوستان کی جرار و جانباز فوج قلعہ احمد نگر کا محاصرہ کئے پڑی تھی تو بیگم سلطان۔ چاند بی بی کے پہلو بہ پہلو اور بدوش بدوش محاصرین کے حملے زور شور سے روک رہی تھی۔ چاند بی بی۔ نظام الملک والی دکھن کی چہیتی لڑکی تھی جو اپنے باپ کے انتقال کے بعد ملک و تخت کی وارث قرار دی گئی تھی اور جو اس محصوری کی حالت میں قلعہ سے مضرت و نقصان دفع کرنے اور جنگ کے اہتمام و سرانجام میں مردانہ وار کمر ہمت باندھے ہوئے نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ کوشش کر رہی تھی۔

بیگم سلطان نے اسوقت چاند بی بی کا بہت ساتھ دیا اور شجاعت و جانبازی

کے خوب ہی جوہر دکھائے اُسنے کامیاب کرنے میں اپنی جان تک لڑا دی
اور محنت و کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اگرچہ بادشاہی لشکر نے مدھوں
کے باندھنے مورچوں کے درست کرنے نقبوں اور سرنگوں کے کھودنے
میں اپنی ساری تدبیر و کوشش اور کثیر التعداد روپیہ صرف کردیا لیکن چاند بی بی
کی بیدار مغزی اصابت رائے اور شجاعت نے اس کی تمام تدابیر کو خاک
میں ملادیا۔ اور متواتر گولہ باری اور زبردست شبخونوں سے اکبری فوج
کو بہت بڑا نقصان پہنچایا۔ آخر کار بہزار کوشش کشش کے بعد خانخاناں
نے جوان دنوں اکبری افواج کا ایک معزز اور نامی جنرل تھا اور جو جنگ کے
اتار چڑھاؤ اور موافق و مخالف پہلو سے بخوبی واقف اور بڑا تجربہ کار تھا
اپنے لشکرگاہ سے قلعہ کے برج اور دیوار کے نیچے تک ایک نہایت عمیق
اور گہری سرنگ لے گیا اور اس میں صدہا من باروت کی تھیلیاں اُتار دیں
اسی طرح قلعہ کے مشرقی حصہ میں بھی ایک عظیم الشان نقب تیار ہو گئی۔ شیر
دل اور باہمت چاند بی بی نے۔ فلاطون منش سلطان بیگم کی رائے سے
چند ذی عقل اور تیز ہوش جاسوسوں کو معین کیا اور نقب کا سراغ لگا کر حملہ کے
دن سے پہلے قلعہ کی اندر کی جانب سے نقب کے مقابل زمین کھودنی
شروع کی یہاں سے وہاں تک برابر ایک نقب کرکے باروت کی تمام
تھیلیاں نکال لی گئیں اور احتیاط و دور اندیشی کے لحاظ سے اس قدر پانی
کی مشکیں چھڑوادی گئیں کہ وقت پر آگ کے شراروں کی جگہ پانی کے
فوارے چھوٹتے نظر آئیں۔

چاند بی بی اور سلطان بیگم جب اس مہم سے فارغ ہوئیں تو اب وہ دوسری
نقب کے سراغ لگانے اور پتہ چلانے کے درپے ہوئیں لیکن افسوس کہ

ہنوز اُن کی اس دوسری مہم کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ دفعتہً شہزادہ محمد مراد و خانخاناں نے اپنی جرار و خونخوار بہادروں اور قلعہ کشا سواروں کو قلعہ کے اُڑا دینے اور محصورین پر اچانک پل پڑنے کا حکم دیدیا۔ چاند بی بی کی بدقسمتی اور سچ پوچھئے تو خوش قسمتی سے اول اُسی نقب میں آگ دی گئی جسکی تکمیل میں ابھی تک چاند بی بی محض ناکام تھی باروت میں آگ لگتے ہی قلعہ کی ایک جانب کی دیوار طولاً پچاس گز اُڑ گئی۔ ایک عظیم الشان دہواں اُٹھا اور گرج کی سی آواز پیدا ہوئی جس سے سارا میدان گونج پڑا۔ نہایت وحشتناک زلزلہ افزا صدا اور ہولناک سنگ باری اور مردہ اجسام کے آسمان پر اُڑنے اور پھر یکایک گر پڑنے سے میدان جنگ ایک عجیب وحشتناک منظر اور ہنگامہ محشر بنگیا تھا۔

دلیران جلادت پیشہ اور بہادران جنگ جو اپنی خونریز تلواروں کو نیام سے کھینچے ہوئے اس انتظار میں کھڑے تھے کہ کب قلعہ کا دوسرا برج اور دیوار اُڑے اور محصورین پر حملہ کناں پل پڑیں لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ دوسری نقب آگ نہیں دیتی اور باروت کی جگہ پانی سے لبریز ہے تو عام طور پر تمام لشکر میں ایک تشویش اور تشویش کے ساتھ حیرت پیدا ہوگئی حملہ آور فوج میں جو چستی و چالاکی اور شجاعت و بہادری ہونی چاہئے تھی وہ اب ان لوگوں میں نام تک کو باقی نہ تھی ہر ایک شخص حیرت کا پتلا بنا ہوا دوسرے کو تکتا تھا اور اُس کے چہرے سے تذبذب و تزلزل کے آثار دکہائی دیتے تھے۔

چاند بی بی اور سلطان بیگم کے لئے یہ موقع بہت اچھا تھا انہوں نے یہ فرصت غنیمت پاکر تجربہ کار اور جہاندیدہ بہادروں کی طرح برقع اوڑھکر ایک ایک تلوار گلے میں حمائل کی اور ایک ایک ہاتھ میں لیکر بجلی کی طرح اس منہدم اور ڈھ ہوئی دیوار پر آپہنچی بڑے بڑے تختے اور آہنی بیٹے کڑیاں بانس

مٹی کے ٹوکرے اور تھیلیاں جو احتیاطاً پیشتر سے مہیا کر لی گئی تھیں نہایت
پھرتی اور چالاکی سے دیوار کی بنیاد میں ڈالنی شروع کر دیں اور خود دیوار
سے نیچے اتر کر تمام موجودہ مرد و عورتوں کی گودیوں کو زر و نقد سے پاٹ
دیا اور سب نے ملکر آن کی آن میں قلعہ کی دیوار تعمیر کر دی۔ سلطان بیگم نے
فوراً چند چھوٹی چھوٹی توپیں اس مقام پر چڑھا دیں اور محاصرین کی آمد و شد
کا راستہ بند کر دیا۔

بہادر مغلوں نے اگرچہ بہت سے پے در پے اور تابڑ توڑ حملے کئے اور چند
مرتبہ زبردست یورشیں استعمال میں لائی گئیں لیکن محصورین نے ایسی جوانمردی
اور جانبازی کے ساتھ ان کے حملے روکے اور کالہ بکلہ جواب دے کہ انہیں
قلعہ کے نیچے تک آنا نصیب نہیں ہوا۔ چونکہ اس جنگ میں اکبری فوج کو بہت
سے زیادہ نقصان پہنچا تھا اور بڑے بڑے بہادر کام میں آ چکے تھے لہذا
خانخاناں کو مجبوراً اپنی فوج کو پیچھے ہٹانا پڑا اور آج کی بقیہ لڑائی کل
کے لئے اٹھا رکھی گئی۔

جب خسرو انجم سپاہ یعنی شاہ خاور مغربی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر او ڈبک
ڈبک کر آسمان کے نیلگوں قلعہ میں پناہ لے گیا اور طرفین کے لشکر اپنے
اپنے مقامات میں جا اترے تو حوصلہ مند اور بلند نظر۔ چاند بی بی۔ بہادر
سلطان بیگم کو ہمراہ لئے ہوئے منہدم دیوار کے پاس پہنچی اور بہت سے
چالاک دست گل کاروں اور ہوشیار معماروں اور بے شمار مزدوروں کو
فراہم کیا۔ یہ منظر بھی نہایت دلکش اور قابل دید تھا کہ دونوں شجاع خاتونیں
دو چپل پیکر گھوڑوں پر سوار تھیں دونوں طرف تلواریں لٹک رہی تھیں زرہ
بکتر سے جسم چھپے ہوئے تھے چاروں طرف سینکڑوں دھویں دھار مشعلیں

روشن ہیں اور بڑی جلدی اور عجلت کے ساتھ دیوار تعمیر ہو رہی تھی۔
سلطان بیگم کی بیدار مغزی اور ہوشیاری کی یہ پہلی نظیر ہے کہ اس نے اپنی عاقلانہ تدبیر سے صبح ہونے سے پیشتر اس طول طویل دیوار کو نہایت استحکامی اور مضبوطی کے ساتھ اٹھالیا اور مزدوروں کے دامن و ہاتھ زر و نقد سے بھر دئے۔ حقیقت میں یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے کہ بے سر و سامانی کی حالت میں صرف ایک رات میں سلطان بیگم نے پچاس گز کی طویل دیوار جس کا آثار چار گز سے کم نہ تھا اس قدر اونچی تیار کرلی۔ یہ سلطان بیگم ہی کی پختہ کاری اور ہمت و استقلال کا نتیجہ تھا جس کی اس عاقلانہ کارروائی اور بیمثال ہمت سے اسوقت تک تاریخی صفحے روشن ہیں۔
یہ نہایت حیرت کی بات ہے کہ سلطان بیگم نے باوجود اپنے محصور ہونے کے بہادر مغلوں کے منہ پھیر دئے اور اب بڑے بڑے جوانمردوں کی طبیعتیں اس مہم سے اچاٹ ہوتی چلیں لیکن افسوس کہ باوجود ایک معتد بہ زمانہ گذر جانے کے بعد بھی اطراف و جوانب سے اُسکی کمک اور مدد پہنچنے کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں غلہ اور دیگر ذخیرہ کم ہوگیا اور آلات حرب میں کمی واقع ہوئی مجبور ہوکر چاند بی بی نے حکم دیا کہ چاندی کے گولے توپ میں بھر کر شاہی لشکر پر پھینکائے جائیں اور جب تک حیات مستعار باقی ہے غنیم کو جواب دینے میں کوتاہی نہ کی جائے۔
اسی اثنا میں اس خبر نے انتشار پایا کہ سہیل خاں حبشی سلطان بیگم کے باپ عادل شاہ کا نائب ستر ہزار سواروں کے ساتھ محصورین کی امداد میں بیجاپور سے روانہ ہوگیا ہے۔ اس خبر سے محصورین کو گو بہت کچھ تقویت ہوئی مگر چونکہ چاند بی بی کے امرا تنگ دل ہوگئے تھے اس لئے اس نے شہزادہ

محمد مراد کو صلح کا پیغام دیا۔ خود شہزادہ اور اس کی تمام فوج کی طبیعت پہلے ہی
سے اچاٹ اور برخاستہ ہو چکی تھی اور روز مرہ کی کوشش و کشش سے محاصرہ
اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ صلح کا پیغام پہنچتے ہی جھٹ راضی ہو گیا اور باہم یہ امر
قرار پایا کہ شاہی فوجیں قلعہ احمد نگر اور دولت آباد اور اس کے اطراف
و جوانب سے محاصرہ اٹھا لیں اور صوبہ برار اور بعض احمد آباد کے پرگنے
شہزادہ محمد مراد اپنے قبض و تصرف میں لے آئے۔

طرفین سے اس قرارداد پر معاہدہ ہو گیا اور شہزادہ محمد مراد اور خان خاناں
کے اژدہا پیکر جھنڈے صوبہ برار کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہزادہ نے
برار پر اپنا قبضہ کیا اور قصبہ شاہ پور کو آباد کر کے اسے اپنا پایۂ تخت قرار
دیا اور مضافات پرگنے امرا کی جاگیریں تفویض کیے۔ اور خود عیش و عشرت اور
بڑی مقصد وری اور کامیابی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔ لیکن سخت
افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شہزادہ محمد مراد نے صوبہ برار میں صرف ایک
سال اور چند مہینے ہی اس عیش و کامیابی میں زندگی بسر کی یعنی سنہ ۱۰۰۷
میں اس شاہی چمنستان کے نونہال سرو کو نیلگوں آسمان کی نہال کشی
کے تقاضے سے اجل کی تیز و تند جھکڑ نے جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔

شہزادہ کے انتقال کے بعد پھر دکھنیوں نے زور باندھا اور ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر اکثر پرگنے اور نئے قلعے اپنے
تصرف میں لیے اور تھوڑی تھوڑی جنگوں کے بعد شکست کھا کر ہر طرف طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ اکبر شاہ جیسا
حلیم الطبع اور بردبار تھا ویسا ہی آتش مزاج اور غصیلا بھی تھا۔ اس کی طبع آزمائی کے لیے دکھنیوں کی یہ بغاوت
کافی تھی جوں ہی اس قسم کی وحشتناک خبریں اکبر کے گوش گزار ہوئیں فوج
کو فوراً کوچ کا حکم دیدیا۔ خان خاناں کو جو شہزادہ دانیال کو خسر تھا شہزادہ
موصوف کی ہمراہی میں دکھن کی مہم پر روانہ کیا۔

سنہ ہجری میں اکبر شاہ نے آگرہ اور دہلی اور پنجاب کے انتظام کی باگ
ڈوری شہزادہ محمد سلیم عرف جہانگیر کے ہاتھ میں تفویض کی اور خود اسی ہزار
خونخوار اور جنگ جو سواروں کو ساتھ لیکر تسخیر دکن کے لئے جھنڈے اونچے
کئے ۔ چونکہ راجی علی خاں کے قتل ہونے کے بعد اس کا بیٹا بہادر دل
برہان پور کا والی قرار دیا گیا تھا اور اکبر کی اطاعت و فرمان برداری جیسی
اس کے باپ سے ظہور میں آتی تھی یہ اس میں کمی کرتا تھا اس لئے اکبر کا
ارادہ ہوا کہ تا وقتیکہ قلعہ اسیر اور خاندیس کے ملک کو زیر و زبر نہ کیا جائیگا
اور اس پہاڑ کے ٹکڑے کو رستہ میں سے نہ اٹھایا جائے گا دوسرے
پرگنوں کو مسخر کرنا مشکل اور بہت مشکل ہوگا ۔ چنانچہ سب سے اول شہزادہ دانیال
اور خان خاناں کے نام فرمان جاری ہوا کہ تم احمد نگر کی تسخیر میں کوشش کرو
اور ما بدولت قلعہ اسیر کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔
اس اکبری فرمان کے موصول ہوتے ہی شہزادہ دانیال اپنے تجربہ کار اور
بہادر جنرل خان خاناں کو ساتھ لیکر احمد نگر کی طرف روانہ ہوا اور ایک
نہایت عاجلانہ حرکت کے ساتھ قلعہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا ۔ خانخاناں
نے بڑی سرعت اور چالاکی سے حسب موقع دمدمے تیار کرائے سرنگیں کھدوائیں
اور جب ان کاموں سے فارغ ہوا تو فوج کی ترتیب و آراستگی کا حکم دیا ۔
دکھنی ، اس خبر کے سنتے ہی ٹڈیوں کے دل بادل کی طرح اطراف و جوانب
سے سمٹ سمٹا کر امنڈ آئے اور قلعہ کی دیواروں کے پیچھے سے شاہی
فوج پر گولے برسانے لگے خانخاناں جو اول نمبر کا دوربین اور پختہ کار سپاہی
تھا اور جس نے اکبر کی وفاداری اور جان نثاری میں بڑے بڑے نازک
اور اہم مواقع میں جان تک لڑا دی تھی اور اُس کی ترقی و عروج کا نہایت

بجا تیز خواہ تہا اس نے اپنے بہادر لشکر کو قلعہ پر یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا کہ چونکہ چاند بی بی نے بیگم سلطان کی رائے سے قلعہ کی استحکامی اور تحفظ کے وہ سامان جمع کر لئے تہے جو محاصرین حملہ آوروں کی مجموعی قوت سے بہی شکست نہ پا سکتے تہے۔ لہذا دلیر و بہادر خانخاناں کو اپنے اس ارادہ پر کامیاب نہیں ہوا لیکن پہر بہی محصورین کی گولہ باری کا ترکی بہ ترکی جواب عین وقت پر دیتا رہا۔

شہزادہ دانیال کی شان و شوکت اور خانخاناں کی پر مغز اور عاقلانہ تدابیر اہل قلعہ کی دلیری و بیباکی کے سامنے کچھ کام نہ آئیں اور انجام کار انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن خانخاناں ایسے کچے دل کا آدمی نہ تہا کہ ان خفیف سی ناکامیوں سے بزدل ہو جاتا اُس نے بڑی بے جگری سے اول یہ کام کیا کہ اپنے خاص ارکان فوج اور تجربہ کار جنگ آزمودہ افسروں کو ساتھ لیکر قلعہ کی دیوار کے گرد گشت لگایا اور کافی اندازہ کے ساتھ ایک زبردست سفاک جنرل کی طرح گرداوری کی۔

غرضکہ ایک عرصہ تک خانخاناں اس موقع کے حاصل کرنے کی کوشش و تدبیر میں مصروف رہا کہ قلعہ کی دیوار کا کوئی ایسا حصہ اس کے قابو میں آجائے جس سے نہایت خفیہ طور پر آسانی کے ساتھ اُسکی فوج قلعہ میں داخل ہو جائے مگر افسوس کہ اس ارادہ میں بہی اسے سراسر ناکامیابی ہوئی اور اس کی وہ تمام کوششیں جو اس خیال کی تکمیل میں روزانہ عمل میں لاتا تہا بالکل بے سود جاتی تہیں بلکہ اب اسے اس بات کا خوف تہا کہ محصورین سے کوئی ہوشیار جنگجو ٹکڑا اس ارادے سے ایسے وقت چھاپہ مار کر شاہی فوج کو گزند پہنچائے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ کسی وقت غفلت میں شاہی فوج پر چھاپہ ماریں اور شبخون کر کے فوج کو بزدل کریں۔

شہزادہ دانیال اور بہادر خانخاناں کو ہم تردوات میں چھوڑ کر قلعہ اسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب اکبر نے اپنی عنان توجہ برہان پور کی طرف پھیری تو یہاں پہنچکر قلعہ کشا اور تجربہ کار امرا کو شہر کے محاصرہ اور جابجا دمدموں کے تیار کرنے کا حکم دیا قلعہ اسیر کے بہادروں نے اپنی بے دہڑک شجاعت اور بیخوف جرأت کے خوب خوب جوہر دکھلائے اور قلعہ اسیر کی محافظت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

بیدار مغز اکبر نے ایک عظیم الشان فوج سے برہان پور پر کئی متواتر اور پے در پے حملے کئے جن کا جواب اگرچہ سرداران برہان پور نے بھی عین وقت پر دیا مگر آخر کار اکبر کی بیدار مغزی اور پختہ کاری کے سامنے ان کی جرأت و دلیری کچھ کام نہ آئی اسی طرح اگرچہ کبھی کبھی بہادر دل والی برہانپور نے اپنی پوری جمعیت اور کامل طاقت کے ساتھ اکبری فوجوں سے سخت بیجگری اور بیباکی سے مقابلہ کیا لیکن تاہم اُسے ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی اور ان بار بار کی شکستوں اور متواتر ناکامیابیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ برہان پور کی فوجی قوت کا تمام انتظام بالکل متزلزل ہو گیا اور عام طور سے ایک عجیب کھلبلی برہان پور میں مچگئی۔

تاہم ایک مقام پر بہادر دل نے شہنشاہی فوج کو جو دریا کی امواج کی طرح بیخوف و خطر قلعہ کو رخ کئے ہوئے بڑہتی چلی جاتی تہی بڑی سرگرمی اور نہایت استحکام کے ساتھ روکنا چاہا اور اس معرکہ میں بڑی سخت گھمسان کی لڑائی ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ بہادر دل کی اکثر فوج کا حصہ مغلوں کی خونریز تلوار سے قتل کیا گیا اور بعض سرداران برہان پور گرفتار ہو گئے بہادر دل کو اس موقع پر ایسی سخت شکست ہوئی کہ اس کے آئے ہوش و حواس جاتے رہے

بجا تیز خواہ تہا اس نے اپنے بہادر لشکر کو قلعہ پر یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا کر چونکہ چاند بی بی نے بیگم سلطان کی رائے سے قلعہ کی استحکامی اور تحفظ کے سامان جمع کر لئے تہے جو محاصرین حملہ آوروں کی مجموعی قوت سے بہی شکست نہ پا سکتے تہے۔ لہذا دلیر و بہادر خانخاناں گو اپنے اس ارادہ پر کامیاب نہیں ہوا لیکن پہر بہی محصورین کی گولہ باری کا ترکی بہ ترکی جواب عین وقت پر دیتا رہا۔

شہزادہ دانیال کی شان و شوکت اور خانخاناں کی پر مغز اور عاقلانہ تدابیر اہل قلعہ کی دلیری و بیباکی کے سامنے کچھ کام نہ آئیں اور انجام کار انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن خانخاناں ایسے کچے دل کا آدمی نہ تہا کہ ان خفیف سی ناکامیوں سے بزدل ہوجاتا اس نے بڑی بے جگری سے اول یہ کام کیا کہ اپنے خاص ارکان فوج اور تجربہ کار جنگ آزمودہ افسروں کو ساتھ لیکر قلعہ کی دیوار کے گرد گشت لگایا اور کافی اندازہ کے ساتھ ایک زبردست سفاک جنرل کی طرح گرداوری کی۔

غرضکہ ایک عرصہ تک خانخاناں اس موقع کے حاصل کرنے کی کوشش و تدبیر میں مصروف رہا کہ قلعہ کی دیوار کا کوئی ایسا حصہ اس کے قابو میں آجائے جس سے نہایت خفیہ طور پر آسانی کے ساتھ اسکی فوج قلعہ میں داخل ہوجائے مگر افسوس کہ اس ارادہ میں بھی اسے سراسر ناکامیابی ہوئی اور اس کی وہ تمام کوششیں جو اس خیال کی تکمیل میں روزانہ عمل میں لاتا تہا بالکل بے سود جاتی تہیں بلکہ اب اسے اس بات کا خوف تہا کہ محصورین سے کوئی ناص ہوکے کی کارروائی کا منصوبہ نہ گانٹہا ہو ممکن ہے کہ کسی وقت غفلت میں خاص شاہی فوج پر چھاپہ ماریں اور شبخون کرکے فوج کو بزدل کریں۔

شہزادہ دانیال اور بہادر خانخاناں کو ہم تردداتیں چھوڑ کر قلعہ اسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب اکبر نے اپنی عنان توجہ برہان پور کی طرف پھیری تو یہاں پہنچکر قلعہ کشا اور تجربہ کار امرا کو شہر کے محاصرہ اور حاجب دمدموں کے تیار کرنے کا حکم دیا قلعہ اسیر کے بہادروں نے اپنی بے دھڑک شجاعت اور بیخوف جرأت کے خوب خوب جوہر دکھلائے اور قلعہ اسیر کی محافظت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

بیدار مغز اکبر نے ایک عظیم الشان فوج سے برہان پور پر کئی متواتر اور پے در پے حملے کئے جن کا جواب اگرچہ سرداران برہان پور نے بھی عین وقت پر دیا مگر آخر کار اکبر کی بیدار مغزی اور پختہ کاری کے سامنے ان کی جرأت و دلیری کچھ کام نہ آئی اسی طرح اگرچہ کبھی کبھی بہادر دل والی برہانپور نے اپنی پوری جمعیت اور کامل طاقت کے ساتھ اکبری فوجوں سے سخت جنگجوئی اور بیباکی سے مقابلہ کیا لیکن تاہم اُسے ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی اور ان بار بار کی شکستوں اور متواتر ناکامیابیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ برہان پور کی فوجی قوت کا تمام انتظام بالکل متزلزل ہو گیا اور عام طور سے ایک عجیب کھلبلی برہان پور میں مچگئی۔

تاہم ایک مقام پر بہادر دل نے شہنشاہی فوج کو جو دریا کی امواج کی طرح بیخوف و خطر قلعہ کو رخ کئے ہوئے بڑھتی چلی جاتی تھی بڑی سرگرمی اور نہایت استحکام کے ساتھ روکنا چاہا اور اس معرکہ میں بڑی سخت گھمسان کی لڑائی ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ بہادر دل کی اکثر فوج کا حصہ مغلوں کی خونریز تلوار سے قتل کیا گیا اور بعض سرداران برہان پور گرفتار ہو گئے۔ بہادر دل کو اس موقع پر ایسی سخت شکست ہوئی کہ اس کے آئے ہوش و حواس جاتے رہے

اس وقت اُسے بجز اس کے اور کچھ کرتے دہرتے بن ہی نہیں آیا کہ معرکہ کو چھوڑ کر قلعہ اساہیر میں جا چھپا جسے وہ مخالف سے امان پانے کے لئے ایک نہایت ہی زبردست اور مستحکم مقام سمجھتا تھا شہنشاہ اکبر جسے نہایت سہل طور پر اپنے فتوحات کے مکمل ہو جانیکا کافی یقین ہوگیا تھا اور جس کی ہمراہی خونخوار فوج کا ایک ایک بہادر شیر کی طرح دشمنوں کے شکار کے لئے بپھر رہا تھا بڑی خونخواری اور شمشیر زنی سے ہر شخص پر اپنا رعب بٹھاتا اور اپنی فتوحات کو نہایت سرگرمی کے ساتھ پورا کرتا آگے بڑھا چلا جاتا تھا جب قلعہ کی دیوار کے نیچے پہنچا تو اس تدبیر و کوشش میں مصروف ہوا کہ کس موقع اور کس تدبیر سے داخل ہونا میسر ہو سکتا ہے اگرچہ اس بارہ میں الوالعزم اکبر اور اُس کے تجربہ کار ارکان نے بہت کچھ عقل پر زور دیا مگر کوئی تدبیر کارآمد اور باتجیہ ثابت نہیں ہوئی ۔

ادہر جب بہادر دل اپنے سرداروں اور بقیہ فوج کو ساتھ لیکر قلعہ میں محصور اور پناہ گزیں ہوا اور اس اطمینان پر کہ اس قلعہ پر زبردست سے زبردست مخالف کو بھی کسی حال میں فتحمندی اور کامیابی نہیں ہو سکتی طرح طرح کے لہو ولعب اور بیہودہ اشغال میں مصروف ہو گیا۔ کبھی کبھی قلعہ کے مورچوں سے دس بیس گولے برسا دیئے اور خاموش بیٹھ گیا اسے اس بات کا بالکل خیال نہ تھا کہ اپنے ملک کو دشمنوں کے حملوں اور غارتگری سے بچائے نہ اس طرف ذرا توجہ تھی کہ ایسے سفاک و بیباک حملہ آوروں کو جسطرح بن پڑے قلعہ کی دیوار کے متصل جمنے نہ دے آخر اس حالت کا وہ نتیجہ ہوا جو ہمارے آیندہ بیان سے ظاہر ہوگا محاصرہ کا زمانہ جوں جوں طول کھینچتا جاتا تھا محاصرین اور حملہ آوروں کا گروہ قلعہ پر قبضہ کرنے سے ناامید ہوتا جاتا تھا خود اکبر اور

اور اُس کے فوجی افسر دار رات رات بھر اس بات کی کوشش میں مصروف رہتے کہ صبح کو یوں قلعہ میں داخل ہو جائیں گے اور اس تدبیر سے دروازہ مسمار کرینگے لیکن دن ہوتے ہی اُس کے یہ تمام منصوبے محض غیر نتیجہ اور بیکار ثابت ہوتے تھے کیونکہ قلعہ پر جب ہی قبضہ ممکن تھا کہ حملہ آور فوج اُس کے کسی حصّہ کو مسمار کردیتی یا اُس کے مستحکم دروازوں میں سے کوئی دروازہ توڑ دیا جاتا حالانکہ یہ دونوں باتیں ناممکن تھیں۔ آخر اکبر کے ذہن میں یہ خیال نہایت پختگی اور یقین کے ساتھ پیدا ہوگیا کہ پناہ گزینوں کی تعداد گو زیادہ نہیں ہے لیکن رسد کی فراہمی اور بے شمار سامان خوراک* کے جمع ہونے سے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور جبتک یہ نہوگا باشندگان قلعہ نہ امن و امان مانگیں گے نہ باہر نکلکر محاصر فوج کے مقابلہ میں آئیں گے لہذا اسکا مصمم ارادہ ہوگیا کہ کم سے کم دو برس تک شہر کا محاصرہ کیا جائے اگر اس کے بعد بھی ناکامیابی ہوئی تو محاصرہ اُٹھا کر دارالسلطنت ہی واپس چلا جانا چاہئے۔

خوافی خاں صاحب منتخب اللباب کا بیان ہے کہ اگرچہ یہ بات شہرت کے ساتھ عام و خاص کی زبان سے سنی جاتی ہے کہ اس محاصرہ نے قریباً چار پانچ سال تک طول کھینچا لیکن معتبر تواریخ سے جہانتک تحقیق ہوتا ہے یہ ہے کہ شہنشاہ اکبر قلعہ اسیر کے محاصرہ میں ۱۰۰۶ھ میں مشغول ہوا اور ۱۰۱۰ھ میں قلعہ تسخیر کیا گیا اس حساب سے چار سال تک قلعہ اسیر کا محاصرہ قائم رہا۔

یہ بالکل صحیح اور مسلم امر ہے کہ جب کسی ملک و قوم کی بربادی و تباہی کا وقت آجاتا ہے تو اس کے ویسے ہی اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور اُس کے سامنے بنے بنائے کام دفعتہً بگڑ جاتے ہیں۔ برہان پور کا والی بہادر دل بڑے اطمینان کے ساتھ محصور تھا اس کے پاس علاوہ ان سامان رسد

کے تو خفیہ طور سے برابر پہنچتے رہتے تھے دس بارہ برس تک کے واسطے غلہ کا کافی ذخیرہ موجود تھا جو بلحاظ دوراندیشی ایک مسلسل زمانہ سے جمع کیا گیا تھا خدا کی شان بقیہ ذخیرہ میں کیڑا لگ گیا اور اس میں اس درجہ تعفن پیدا ہو گئی جسے آدمی تو الگ رہے جانور بھی نہ کھا سکتے تھے۔

یہ وجہ ہوئی بہادر دل کی پست حوصلگی اور مغلوب ہونے کی۔اسی اثنا میں تمام اطراف وجوانب میں اس خبر نے نہایت شہرت کے ساتھ اشاعت پائی کہ خانخاناں کی بے دھڑک شجاعت اور عدیم المثال عقلمندی سے قلعہ احمد نگر مفتوح و مسخر ہو گیا جس سے بہادر دل کے آئے ہوش اُڑ گئے اور اب اسے بجز اس کے اور کچھ بن نہ آیا کہ شہنشاہ اکبر کے حاشیہ نشینوں کے آگے اطاعت و فرمانبرداری کی گردن تسلیم خم کر دے اور اس پُر شوکت سلطنت کے ماتحتی میں رہنے کا فخر حاصل کرے چنانچہ اس کی طرف سے امن واماں اور پناہ گزینی کی تحریک ہوئی اور اکبر کی طرف سے فوراً منظور کر لی گئی۔عہد اماں کے مستحکم و مضبوط ہو جانے کے بعد قلعہ اسایر دولت قاہرہ کے بہی خواہوں کے دست تصرف میں آیا اور سونے روپے جواہرات کے کثیر المقدار خزانے ود فینے قبضے میں آئے اور فاروقی جھنڈے کی جگہ علم اکبری کا شاندار پھریرا ہوامیں فراٹے بھرنے لگا۔

اس طرف شاہزادہ دانیال اور اس کا جنرل خانخاناں قلعہ احمد نگر کی مہم سر کر کے اکبر سے آملے۔شہنشاہ اکبر نے اس فتح کی خوشی میں خاص قلعہ اسایر میں ایک عظیم الشان شاہانہ جلسہ کیا اور اپنے جان نثار اور بہادر جنرلوں کو انعام واکرام سے سرفراز فرمایا بالخصوص شہزادہ دانیال کو بیشمار وکثیر المقدار جواہرات اور نقد وجنس دیگر ممتاز کیا۔

جب اکبر کی فتح و فیروزی اور اقبال و دولت کے نسیم کے خوش آیندہ جھونکے
اطراف ہندوستان خصوصاً دکن میں نہایت نرمی اور متانت کے ساتھ چلنے
لگے تو ابراہیم عادل شاہ حکمران بیجاپور نے فتح کی مبارکبادی کے متعلق ایک
تہنیت نامہ اور تہنیت نامہ کے ساتھ بہت سے عجیب و نادر تحفے شہنشاہ
اکبر کی خدمت میں روانہ کئے اور ساتھ ہی یہ بھی التماس کی کہ میں اپنے پارۂ
جگر بیگم سلطان کو شہزادہ دانیال کی خدمت کے لئے آپ کے حضور میں ہدیۃً
پیش کرتا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سچ پوچھئے تو میرا یہ ناچیز تحفہ اس قابل نہیں کہ شہزادہ دانیال کی خدمت میں
رہنے کی ممتازیت حاصل کر سکے۔ لیکن اگر بنظر غربا پروری چشم اغماض سے
یہ ہدیہ قبول کیا جائے تو حضور کی فیاضی اور عین حسن اخلاقی ہے اور اگر واپس
کیا جائے تو واقعہ نفس الامری ہے۔

ابوالعزم اکبر نے ابراہیم عادل شاہ کے تمام پیشکش کردہ تحفے بڑی خوشی سے
قبول کئے اور جمال الدین حسین کو جو اکبری دربار میں ایک بڑا معزز اور ممتاز آدمی
گنا جاتا تھا بیگم سلطان کے لانے کا حکم دیدیا اسی اثناء میں شاہزادہ محمد سلیم
کی شورش اور فساد انگیزی کی خبر شہنشاہ کی خدمت میں معروض ہوئی اور بیان
کیا گیا کہ جہانگیر نے دار السلطنت میں ایک بہت بڑا ہلکم مچا رکھا ہے
اس وحشت ناک خبر نے اکبر کو اس درجہ پریشان کیا کہ وہ بیگم سلطان کے آنیکا
بھی انتظار نہ کر سکا شہزادہ دانیال کو خانخاناں کے سپرد کر کے اور ان ملکوں
کے نسق و انتظام کی بابت ایک اجمالی فہرست تیار کر کے جو نئے نئے اس
کے تصرف میں آئے تھے شہزادہ دانیال کے حوالہ کی اور ان دونوں کو دکن

میں چھوڑ کر خود عنان توجہ آگرہ کی طرف پھیری۔

بیگم سلطان کی زندگی کے وہ واقعات جو اس زمانہ کے بعد کے حالات سے تعلق رکھتے ہیں اس درجہ محدود ہیں کہ ہم اس کی لائف کا پورا خاکہ نہیں کھینچ سکتے لیکن تاہم مختلف واقعات سے جو اُس کے حالات ہمیں تحقیق ہوئے ہیں وہ لکھے جاتے ہیں۔

اگرچہ مستند تاریخی شہادت کی رو سے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ بیگم سلطان شہزادہ دانیال کے پاس کب آئی اور اُس کا عقد کس زمانہ میں ہوا اور عقد کے بعد کیا کیا انقلاب آئے لیکن اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اب ہم اُسے شہزادہ دانیال کے پہلو میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں۔ بیگم سلطان علاوہ حسن و جمال اور ظاہری خوبصورتی کے باطنی حسن یعنی علم و فضل اور شجاعت و دلیری میں خاص امتیاز رکھتی تھی انشا پردازی لطیفہ گوئی حاضر جوابی میں ضرب المثل تھی غرضکہ دنیاوی اعزاز کے لئے کوئی ایسی صفت نہ تھی جو فطرت نے اس میں اُٹھا رکھی ہو اور غالباً یہی اوصاف اس قسم کے تھے جن پر شہزادہ دانیال جیسا تیز ہوش اور ذی وجاہت شخص اپنی جان قربان کرتا تھا اور بیگم سلطان کی بات بات پر جان نثاری کے لئے موجود رہتا تھا۔

بی بی بائی

یہ عفیفہ پاکدامن اور بھولی خاتون شیر شاہ کی بھتیجی اور سلیم شاہ کی چاہیتی بیوی ہے اس کی دنیاوی اعزاز و جاہ اور مذہبی تقدس میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ شیر شاہ جیسے لڑاکو اور بہادر و خونخوار

بادشاہ کی بھتیجی اور سلیم شاہ جیسے خونریز و اولوالعزم کی عزیز بیگم ہے جس کے سامنے ایک دراز زمانہ تک نامور و مشہور سلاطین کی گردنیں جھکتی تھیں اور تمام قوم و ملک میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

بی بی بائی کے شیر شاہ کی بھتیجی اور سلیم شاہ کی بیگم ہونے میں تمام مورخین کا اتفاق ہے لیکن اس کے اس مشہور و معروف نام میں بہت بڑا اختلاف ہے تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ اس خاتون کا نام ماہی بائی تھا۔ تاریخ فرشتہ والا افغانوں کی سلطنت کے واقعات لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کا نام صرف بائی تھا لیکن طبقات اکبر شاہی میں جو تمام مستند مورخین کی جولانگاہ ہے بیان کیا گیا ہے کہ سلیم شاہ کی منکوحہ بیگم کا نام جس کے بطن سے فیروز خاں نام لڑکا پیدا ہوا اور جسے اس کے حقیقی ماموں مبارز خاں نے دولت و حکومت کے داعیہ میں نہایت بیرحمی اور سفاکی سے قتل کرا ڈالا بائی تھا۔ یہی مضمون باد نے تغیر صاحب منتخب التواریخ نے لکھا ہے لیکن منتخب کے ایک اصلی نسخہ میں مائی دوسرے میں بائی لکھا ہوا ہے۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باعصمت او عفت مآب خاتون کا نام بائی بی بی یا ماہی بی بی تھا کیونکہ باقی صورتوں میں صرف نقاط کا فرق و تفاوت ہے اور نقاط کا کم و بیش ہونا ایک معمولی بات ہے۔ قبل اس کے کہ میں بائی بی بی کی تاریخی زندگی کے واقعات لکھوں شائقین کی بصیرت و دلچسپی کے لئے مناسب ہوگا کہ سلیم شاہ اور اس کے باپ شیر شاہ کی لائف کا سرسری اور اجمالی خاکہ کھینچوں جس سے اس کا حسب و نسب او معمولی درجہ کا آدمی ہوکر ایسے الوالعزم مرتبہ پر پہنچنے کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ گویں اس کا مختصر

ذکر جلد دوم میں کر آیا ہوں مگر وضاحت کے ساتھ اس موقع پر ضروری ہے
معزز ناظرین سے امید ہے کہ وہ خارج البحث کا الزام نہ دینگے اور اس
دلچسپ واقعہ کو شوق دیکھے پڑھیں گے۔

شیر شاہ کا اصلی نام فرید اور اس کے باپ کا نام حسن تھا جو وہ کے
مشہور افغانوں میں سے شمار کیا جاتا تھا اور قومی تعلق سور کے ساتھ رکھتا
تھا گردش فلکی اور افلاس حسن کو سلطان بہلول حسن کے قدیم وطن سے
ہندوستان میں کھینچ لایا تھا۔ مورخین کو تسلیم ہے کہ حسن علاوہ دیگر فنون
کے شجاعت و بہادری میں فرد اور یگانۂ روزگار تھا اور اپنے زمانہ میں
ایک بہت بڑا دانشمند اور عقل کا پتلا مانا جاتا تھا۔ اس نے ہندوستان
میں آکر چند سال تک قلعہ فیروزہ اور چند روز تک نارنول میں زندگی بسر
کی انجام کار سلطان سکندر لودی کے عہد میں جونپور میں پہنچا اور جمال خان
کی ملازمت اختیار کی جو سکندر کے امرا میں ایک بڑا نامور اور مشہور امیر کبیر
تھا۔ یہاں پہنچکر اس کے اقبال کا ستارہ چمکا اور اپنی حسن خدمات او
خوش آیندہ کارگزاریوں کے صلہ میں یہ مرتبہ پایا کہ جمال خاں نے
پانسو سوار اسکے نامزد کرکے پرگنہ سہسرانو اور خواص پور میں روانہ کیا
اور ایک معقول جاگیر اسکی تفویض میں کر دی۔

اصل میں حسن کے سات لڑکے تھے فرید و نظام تو ایک شریف خاندان کی
اصیل عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جو معزز افغانوں میں وقعت کی
نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور پانچ لڑکے جن میں سب سے بڑا سلیمان تھا
مختلف لونڈیوں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ حسن سلیمان کی ماں کو
انتہا سے زیادہ چاہتا تھا اور اس لونڈی کی بے انتہا محبت کی وجہ سے

فرید پہ نسبت لونڈی بچوں کے حسن کی نگاہ میں کچھ بھی وقعت نہ رکہتا تہا
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیور فرید باپ کی رفاقت کو خدا حافظ کہکر جمال خاں
کے پاس جونپور میں پہنچا اور وہیں اپنی زندگی بسر کرنے لگا ہرچند کہ حسن نے
جمال خاں نیز فرید کو بہت سے خطوط لکہے اور اپنے پاس بلانے میں
انتہا سے زیادہ کوشش کی لیکن فرید باپ کی سرد مہری سے کچھ ایسا
برداشتہ ہوگیا تہا کہ اب اس نے خواص پور کی طرف بھول کر بہی رخ
کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور لکھنے پڑہنے میں اپنی اوقات صرف کرنے
لگا صرف و نحو اور فقہ میں کچھ ملکہ حاصل کر کے افغانوں میں افضل الفضلا
مشہور ہوگیا۔ حسن کو جب اپنے نوجوان اور قابل لڑکے کی خداداد قابلیت
اور فطری لیاقت کی اطلاع ہوئی تو خود جونپور میں آیا اور نہایت اعزاز
و افتخار کے ساتہہ اپنے ہمراہ لے گیا سہسرام اور خواص پور کے
دونوں پرگنہ اس کے حوالہ کئے اور احترام و وقار میں کوئی دقیقہ اٹہا نرکہا
فرید ایک مدت تک ان دونوں پرگنوں پر قابض رہا اور نہایت
بیدار مغزی و دور اندیشی اور نصفت پسندی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی
کو انجام دیتا رہا حسن کی یہ کارروائی سلیمان کی ماں پر نہایت شاق و
ناگوار گذری اور اس نے فرید کی معزولی اور بجائے اس کے سلیمان کی
تقرری پر حد سے زیادہ زور دیا۔ چونکہ حسن اس بات کو اچھی طرح سمجھے
ہوئے تہا کہ فرید کو جاگیر سے علیحدہ کرنا اور اسکی جگہ سلیمان کو مقرر کرنا ایک
بڑی اہم اور خطرناک بات ہے اور مفسدہ انگیزی کے علاوہ مالی مضرت کا
بہت کچھ اندیشہ ہے اس لئے وہ سلیمان کی ماں کو بلطائف الحیل چند
روز کے لئے خاموش کر دیتا اور اسکی دلجوئی و خاطرداری میں ہر وقت

مستعد و سرگرم رہتا اتفاق سے فرید کو بھی ان باتوں پر اطلاع ہوئی اور مصلحت وقت نے اُسے اس عہدہ کو خیرباد کرنے پر مجبور کر دیا۔ حسن نے سلیمان کو اس منصب سے ممتاز کیا اور فرید کی تسلی و دلجوئی میں حد سے زیادہ کوشش کی لیکن فرید نے باپ کے پاس رہنا مناسب نہ جانا اور آزردہ خاطر ہوکر دوسری دفعہ باپ سے جدائی گوارا کی اور دولت خاں کی خدمت میں پہنچکر جو سلطان ابراہیم کی حکومت کا رکن اعظم تھا ملازمت اختیار کی فرید سے چندہی روز میں وہ کار نمایاں ثابت ہوئے کہ دولت خاں اس کی حسن خدمات اور فرائض منصبی کی انجام دہی پر عش عش کر گیا اور اس کا ایک ایک کام وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگا جب فرید نے دولت خاں کو اپنی طرف بہت کچھ مائل پایا تو سوتیلی ماں کی عداوت و نفرت کی سبب سے باپ کی بے توجہی اور ظلم کی شکایت بیان کی اور اگرچہ اس نے اس طرف بہت کچھ زور دیا کہ جس طرح ممکن ہو باپ کی جاگیر پر قبضہ حاصل کرے لیکن حسن کی زندگی میں وہ اپنے اس مقصد پر کامیاب نہ ہوسکا۔ حسن کے انتقال کرجانے کے بعد دولت خاں کی انتہا درجہ کی کوششوں نے پھر اُسے اس منصب پر پہنچا یا اور اب وہ بلا شرکت غیرے اپنے باپ کی جاگیر پر قابض ہوگیا۔

فرید نے ان پرگنوں کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی سب سے اول یہ کام کیا کہ سلیمان اور اُسکے ہوا خواہوں کو وہاں سے نکال دیا اور اپنے جاں نثار دل اور سچے ہی خواہوں کے منصب افزائی اور ترقی میں توجہ مبذول کی۔ ہر چند کہ سلیمان نے بھی بہت سے اس قسم کے وسایل و ذرائع بہم پہنچائے کہ فرید کے قبضہ سے جاگیر نکال لیجائے لیکن سلطان ابراہیم کے عہد ترقی

میں اُسے یہ بات میسر نہ ہوں اور جہاں تک اُس نے ان کوششوں میں گرمی
کی سخت ناکامی اٹھائی اسی اثنا میں محمد بابر شاہ کی کشورستانی کی گرم گرم خبریں
نہایت خوفناکی کے ساتھ افغانوں کے کانوں میں پڑیں اور اس کے خونی
جھنڈے اطراف ہندوستان میں خطرناکی اور ہیبت کا رنگ ساتھ لئے
ہوئے ہوا میں جھومتے نظر آئے سلطنت ا[illegible]عنہ کا روزافزوں عروج تنزل
کے ساتھ بدلنے لگا اور ادبار وزوال کا خاتمہ افغانوں کے نام پر ہوتے
دکھائی دیا۔ فرید بلحاظ دور اندیشی و عاقبت بینی اپنی جاگیر سے علیحدہ ہوکر
بہادر خاں لوہانی کی خدمت میں پہنچا اور اُسکی فوج میں بھرتی ہوگیا۔

بہادر خاں لوہانی جسنے آیندہ اپنے لئے سلطان محمد کا خطاب تجویز کیا تھا
ان دونوں صوبہ بہار میں اُسکی علم سلطنت کے پھریرے بڑے زور شور
سے ہوا میں لہریں لے رہے تھے اور پر رعب و شوکت کے پھاہے ان
اطراف کے تمام جانبازوں اور بہادروں کے دلوں میں گڑے ہوئے تھے
فرید نے سلطان محمد کی فوج میں بھرتی ہوکر بڑے بڑے خطرناک معرکوں
میں اپنی بے دھڑک شجاعت اور بیخوف دلیری کے وہ جوہر دکھائے کہ سلطان محمد
جیسے شیردل اور لڑا کو بادشاہ کا دل ایک بے اختیاری جوش کے ساتھ اُسکا
فریفتہ ہوگیا اور اُس نے بڑی خوشی کے ساتھ اسے اپنی فوج کے لفٹنٹی
کے عہدہ سے ممتاز کیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان محمد کو شکارگاہ میں
ایک شیر سے مقابلہ کرنے کا اتفاق پڑا۔ شیر نے ایک بڑی غضبناکی کے
ساتھ سلطان محمد اور اُس کے ساتھیوں پر حملہ کیا قریب تھا کہ تمام لوگ شیر
کے پنجہ قہر میں گرفتار ہوجائیں کہ فرید نے ایک نہایت چپالاکی سے
عاجلانہ حرکت کی اور تلوار کی پہلی ہی ضرب میں اُسکا کام تمام کردیا۔

سلطان محمد نے فرید کی اس بے مثل شجاعت اور عدیم المثال جوانمردی کے وزنی الفاظ سے داد دی اور ایک قیمتی خلعت عطا کر کے شیر خاں کے خطاب سے معزز و ممتاز کیا اور نہ صرف اسی اکرام و اعزاز پر اکتفا کیا بلکہ اپنے بڑے فرزند جلال خاں کو وکیل سلطنت مقرر کر کے اُسے اُس کی حکومت میں روانہ کیا اور اُس کی موروثی جاگیر کے علاوہ ایک اور نہایت زرخیز جاگیر اُس کے قبضہ میں دی۔ چند روز کے بعد شیر خاں نے رخصت حاصل کی اور اپنی جاگیر کا بڑی خوبی و صفائی سے انتظام کیا اور زمانہ رخصت سے کچھ زیادہ مقیم رہا۔ یہاں سلطان محمد نے شیر خاں کو یاد کیا اور اُس کے تاخیر کرنے کی شکایت زبان پر لایا۔ محمد خاں جو جونپور کا ایک نامور حاکم تھا اور مدت سے سلیمان کے بار احسان نے اُس کی گردن نیچے کر رکھی تھی ایک عرصہ سے وقت کا منتظر تھا یہ موقع اُس کے حق میں نہایت مبارک تھا شیر خاں کی اوباشی طرز بھائیوں پر ناحق ظلم کرنے کی حکایت حقداروں کو وارث پدری سے محروم رکھنے کا قصہ کچھ ایسے پُر اثر اور زور کے الفاظ میں شکایتاً بیان کیا جن کا اثر سلطان محمد کے دل میں بجلی کی طرح دوڑ گیا۔

سلطان محمد۔ شیر خاں کی ان نامناسب اور نفرت انگیز بیہودگیوں کو سُنکر جنہیں درحقیقت بہت سی بے اصل شکایتوں کا حاسدانہ روغن چڑھا کر چمکایا گیا تھا ایسا برافروختہ ہوا کہ فوراً سلیمان کی مدد میں ایک کافی جمعیت روانہ کی اور شیر خاں کو دھمکی کے لفظوں میں لکھا کہ اپنی تمام جاگیر کو برادرانہ تقسیم کر دو۔ ممکن تھا کہ شیر خاں کے دل پر اس فرمان کا بہت کچھ اثر پڑتا لیکن اُس نے بے دھڑک ہو کر صاف طور پر جواب دیدیا کہ یہ روہ کی حکومت

و ولایت نہیں ہے جس کے حصے بخرے لگائے جائیں اور متروکہ زر و مال نہیں ہے جس میں حقوق ارث جاری کئے جائیں۔ سلاطین و تاجداروں کی ملازمت میں جو اعزاز و انعام حاصل ہوتا ہے اس کا دارمدار خوش قسمتی و اقبال مندی پر ہوا کرتا ہے۔ یا حسن خدمت پر۔

غرضکہ اس بحث و گفتگو نے یہاں تک طول کھینچا کہ جو فوج کا جرار و خونخوار دستہ سلیمان کی مدد میں نامزد کیا گیا تھا اس نے شیر خاں کو ایک زبردست شکست دی کہ جاگیر سے بھگا دیا۔ لیکن شیر خاں نے روز اول ہی سے کچھ ایسی مضبوط اور قوی طبیعت پائی تھی کہ باوجودیکہ اُسے روزمرہ طرح طرح کی آفات کا سامنا کرنا پڑا اور اُس پر مصیبت کا لشکر ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑا سارا جاہ و جلال چشم زدن میں جاتا رہا لیکن پھر بھی وہ قسمت آزمائی سے کبھی نہیں ہچکچایا اور بار بار کی ناکامیوں اور شکستوں سے کچا نہیں ہوا۔

اس شکست کے بعد اُس نے اپنے تئیں سلطان جنید برلاس کے پاس پہنچایا اور وہاں سے کافی مدد لیکر آندھی کی طرح اپنی جاگیر کی طرف جھپٹا ایک بڑی خونریزی اور کشت و خون کے بعد اپنی جاگیر کو مکرر قبضہ میں لایا اور ساتھ ہی محمد خاں حاکم جونپور کی جاگیر کو بھی اپنی فتوحات میں شامل کر لیا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بڑی مروت اور قومی احسان برتا کہ محمد خاں کی جاگیر میں سے ایک کثیر التعداد رقم جو اُس کے قدیم عاملوں نے غبن کر لی تھی وصول کرکے زر اصل اور اضافہ محمد خاں کے پاس بھیجدیا اور چند روز کے بعد جاگیر سے بھی دست برداری کرکے معذرت کی کہ میرا اصلی مقصود اپنے باپ کی جاگیر ہی پر متصرف ہونے کا تھا ماتحتوں کی تھوڑی سی غلطی سے یہ بے ادبی ظہور میں آئے۔ جس کی معافی کی درخواست کرتا ہوں

محمد خاں۔ شیر خاں کی اس علو ہمتی اور فیاضی پر تحسین کرنے لگا اور اپنی سابق کی بزدلی اور نامردی کو یاد کر کے عرق ندامت میں غرق ہو گیا۔

القصہ شیر خاں نے سلطان جنید کے ہمراہی میں محمد بابر بادشاہ غازی کی خدمت میں حاضر ہو کر روشناسی کا اعزاز و افتخار حاصل کیا اور چند روز تک حاضر رہکر سلطنت مغلیہ کے اطوار اور قوانین حکمت سے بخوبی واقفیت پیدا کر لی اب گاہے گاہے اس کی زبان پر یہ الفاظ آنے لگے تاکہ مغلوں کے انتظام اور اُن کے اندازہ روش پر جب سرسری نظر ڈالی جاتی ہے تو ایک صحیح اندازہ کرنیوالا کافی وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ انہیں ہندوستان سے نکال دینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔" اُس کے رفیق ان مہمل الفاظ کو جو ایک مجنون کی بے معنی بڑ سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے مضحکہ میں اڑاتے اور اُسے تمسخر و ہذیان کی طرف منسوب کر کے مطعون کرتے لیکن اُس کے دل پر اس قسم کے خیالات نے ایسے گہیرے نقوش کر لئے تھے جو مٹائے سے بھی مٹ نہیں سکتے تھے اور جستہ جستہ یہ ناگوار وغیر مفید ترانہ اُس کی زبان سے بیساختہ نکل ہی جاتا تہا وہ اپنے ہمصحبتوں میں دلیل کی شہادت سے بیان کرتا تہا کہ چونکہ مغلیہ سلطنت تزک و احتشام کے اسباب اور خود آرائی و تن پروری کے سامان فراہم کرنے میں اس درجہ محو ہے کہ سب نے اپنے کلی و جزلی امور کی باگ مرتشی امرا کے ہاتھ میں دیدی ہے اور خود معاملات سے ناواقف محض ہیں پس اگر تقدیر تدبیر کے موافق پڑ جائے تو اُن کی ملکی و انتظامی امور کے ارکان ادنیٰ تحریک سے متزلزل ہو سکتے ہیں۔

اب شیر خاں کی یہ بیہودہ گوئی خاص خاص پارٹیوں اور مجلسوں سے نکل نکلکر منظر عام میں لائی جانے لگی اور اُس کی گستاخی۔ ہتمردی اوباش وضعی وغیرہ

وغیرہ قبیح و ناشائستہ عادات و اطوار کی شکایت ہمایوں بادشاہ سے کی گئی۔ حوصلہ مند اور عالی ہمت بادشاہ نے بجز اس کے اور کوئی کارروائی نہیں کی کہ اُسے لشکر سے نکال دیے جانے کا حکم فرمایا۔ شیر خاں جوں ہی اس واقعہ پر مطلع ہوا شبا شب لشکر سے مفرور ہو کر اپنی قدیم جاگیر میں آ دھمکا اور یہاں سے پھر کسی طرح سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط بندگی بجا لا کر اُسے اپنا گرویدہ کر لیا۔

ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تہا کہ سلطان محمد کا انتقال ہو گیا۔ اس کا انتقال گویا شیر خاں کی کامیابی اور فتمندی کا مقدمہ یا پیش خیمہ تہا اُس کے دنیا سے منہ موڑتے ہی ارکان دولت نے سلطان محمد کی وصیت کے بموجب اختیار حکومت کی باگ بی بی دودو یعنی جلال خاں کی ماں اور شیر خاں کے سپرد کی اور اتفاق حسنہ کہ جلال خاں کی ماں اپنے معزز شوہر کے انتقال کے بہت ہی تھوڑے عرصہ بعد اس کے سرہانے جا سوئی اس کے بعد شیر خاں مستقل حکمراں قرار دیا گیا مسجدوں میں خطبے اور قلعوں پر جھنڈے اس کے نام کے گاڑ دئے گئے اور اب سے مروجہ سکہ اسی کے نام پر ڈہالا جانے لگا۔

اسی دور میں والے بنگالہ اور حاکم بہار میں کوئی جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا اور رفتہ رفتہ محاربت کی نوبت پہنچی پس یہ خفیف بہانہ شیر خاں کی طبع آزمائی کے لئے کافی تہا شیر خاں کے مقابل کا لشکر جو تعداد میں بھی کم تہا اور کچھ ایسا خونریز و جرار بھی نہ تہا جیسے شیر خاں کی فوج اس نے مقابلہ کرتے ہی بار بار شکست اٹھائی اور ہر وقعہ ناکامیاب رہا نتیجہ یہ ہوا کہ شیر خاں کو کئی بار کی خونخوار اور عظیم الشان لڑائیوں کے بعد نمایاں فتح حاصل ہوئی اور کثیر التعداد معمور خزانے بیشمار سجے سجائے ہاتھی نہایت قیمتی طرح طرح کے جواہرات جو تجمل و سلطنت کے لوازمات میں ہیں شیر خاں کے ہاتھ لگے۔

شیر خاں خود بھی زبردست اور مستقل ارادہ کا آدمی تھا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے اُن میں سے اگر سب نہیں تو بعض ضرور ایسے تھے جو بڑی وفاداری اور جان نثاری سے اس کا ساتھ دیتے اور ہر سخت اور خطرناک موقع پر اسکی ترقی و بہبودی میں جان تک لڑا دیتے تھے جس وقت بہادر شیر خاں جلال خاں کے مقابلہ سے عاجز ہو کر ایک مضبوط قلعہ میں محصور ہو گیا تھا تو یہ لوگ اسکے بڑے کام آئے تھے اور اس کی مدد میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی تھی چونکہ شیر خاں کے اقبال کا ستارہ اس وقت آسمانی اُفق میں شہاب ثاقب کی طرح چمک رہا تھا اور اس کا روز افزوں عروج اوج کمال پر پہنچ گیا تھا لہذا جلال خاں پر اسے فتح حاصل ہوئی - جلال خاں کمال پریشانی اور بے سرو سامانی کے ساتھ شکست کھا کر بھاگا اور اُس کے لشکر کا ایک معتدبہ حصہ تلوار سے کاٹ ڈالا گیا - اس موقع پر شیر خاں نے بڑی آزادی اور سفاکی سے قتل و غارت کے ہاتھ پوری طاقت کے ساتھ دراز کئے اور صدہا گھروں کو بے چراغ کر دیا۔

اس لڑائی میں جو مال و دولت اور خزانہ و جواہر شیر خاں کے ہاتھ لگا اس کا صحیح معیار کسی طرح نہیں بتایا جا سکتا جب صوبہ بہار اور اس کے بعض اطراف پورے طور پر قبضے میں آ چکے تو شیر خاں کی خوش قسمتی سے ایک اور تازہ شگوفہ کھلا تاج خاں نامی سلطان ابراہیم کی طرف سے چنار کا قلعہ دار تھا اور اس کے نکاح میں ایک نہایت حسین و خوبصورت عورت تھی جو ترکماں کی مشہور قوم میں سے شمار کیجاتی تھی اور جس کا نام۔

لاد ملک

یا لاد ملکہ تہا یہ عورت اگرچہ نا قابل اولاد تھی لیکن تاج خاں کو اُس کے ساتھ اس درجہ موافقت و محبت تھی جس کے باعث محسود زمانہ ہوگیا تہا بالخصوص اُس کے لڑکے اس وجہ سے نہایت رنجیدہ رہتے تہے اور لاد ملک کے نام کو صفحہ دنیا سے مٹا دینے پر سخت حریص تہے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ تاج خاں کا ایک لڑکا موقع فرصت پاکر لاد ملک کے سر پر تلوار علم کئے ہوئے آفت ناگہانی کی طرح پہنچا اور نہایت برہمی کے ساتھ تلوار ماری اگرچہ بدنصیبی سے تلوار اوچھی ہو لی لگی اور لاد ملک کے کاری زخم نہ آیا لیکن پہر بہی محل کے ہر چہار طرف سے ایک مہیب شور و غل کی آواز پیدا ہو لی تاج خاں بڑی غضبناکی کے ساتھ اپنے ناخلف لڑکے کے سر پر پہنچا چاہتا تہا کہ تلوار کی ضرب سے فوراً اس کا کام تمام کردے لیکن پدری رحم مانع آیا اور اُسکی تلوار اُٹہی کی اُٹہی رہگئی۔اس کے مقابلہ میں نا عاقبت اندیش لڑکے نے سبقت کی اور تلوار کے تابڑتوڑ وار کرنے شروع کردئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تاج خاں اُسکے ہاتہ سے جانبر نہو سکا۔

اس زمانہ میں شیر خاں کے اقبال کا ستارہ خوب چمک رہا تہا اس نے میرزا احمد ترکمان کے مشورے سے تاج خاں کے لڑکوں کو گرفتار کرا کے قید کردیا اور لاد ملک کی عدت گذر جانے کے بعد اُسے اپنے نکاح میں لے آیا۔ تاج خاں کا تمام متروکہ اور قلعہ میں جس قدر اسباب سلطنت موجود تہا سب اس کے ہاتہ لگا جس سے اسے بہت بڑی مدد ملی اور اس کی پشت اور بہی قوی ہوگئی اب بہار و بنگالہ کے اطراف میر دار اس کے ہاتہ آنے

لگے اور روز بروز اسکی عظمت وجبروت ترقی کرنے لگی صوبہ بنگالہ میں شیر خاں نے جب تلوار علم کی ہے تو ہزاروں آدمی بڑی بیرحمی اور سفاکی سے قتل کئے گئے ہیں اور صدہا گھر جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیئے گئے ہیں ملک اودہ میں ایک بہت بڑی خونریزی ہوئی اور ایک عظیم الشان جنگ سے تمام جنگل میں خون دریا کی طرح لہریں لینے لگا۔

اسی اثنا میں سلطان سکندر کا بیٹا سلطان محمود جو ہمایوں کے خونخوار لشکر سے شکست کھا کر ان اطراف میں مدت تک سرگردان و پریشان پھرتا تھا شیر خاں نے اس سے اتفاق کر لیا اور جونپور میں پہنچکر ہمایوں بادشاہ کے صوبہ داروں کو بہت بڑی شکست دی اس کے بعد اس نے یہاں سے اپنی عنان توجہ لکھنؤ کی طرف پھیری اور درمیانی صوبوں کو جلد جلد فتح کرتا ہوا لکھنؤ تک بڑھا چلا گیا۔ لکھنؤ کا صوبہ اگرچہ بظاہر نہایت سخت اور دشوار گزار معلوم ہوتا تھا لیکن جب یہاں شیر خاں کی تلوار چمکی تو بہت جلد ان اطراف میں افغانی فتح کا جھنڈا ہوا میں جھومنے لگا۔

ہمایوں بادشاہ افاغنہ کی سرکشی و تمردی کی گرما گرم خبریں سنکر سلطان محمود کے مقابلہ میں آیا۔ جب دونوں طرف کے لشکر صف آرا ہوئے اور جنگ کی آگ جانبین سے بھڑک اٹھی تو شیر خاں نے بابر بادشاہ کے حق میں نمک اور موروثی عبودیت کو ملحوظ رکھکر ہمایوں کو پیغام دیا کہ چونکہ حضور کے قدیم احسان و تفضلات کے بارے میری گردن اونچی نہیں ہو سکتی ہے اس لئے میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ عین لڑائی کے موقع پر میدان سے الگ ہو جاؤں گا اور میری علیحدگی کی وجہ سے غالباً فوج افاغنہ شکست کھا کر مفرور ہو جائیگی۔ چنانچہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہوئی تو شیر خاں نے کہنے کے مطابق عمل کیا

سلطان محمود شکست کہا کر بہاگا اور اپنے تئیں زمینداروں کی پناہ میں پہنچایا۔
سلطان محمود نے یہ ٹہوکر ایسی کہائی تھی کہ پہر سلطنت کی ہوس اس کے دل میں
کبھی نہیں ہوئی۔ تہوڑے دن ایک گوشہ میں بیٹھکر زندگی بسر کی اور بہت قلیل عرصہ
میں دنیا سے کوچ کر گیا۔ ہمایوں شاہ بائیں مرام آگرہ کی طرف متوجہ ہوا اور میرزا
ہندی بیگ کی ماتحتی میں کچھ فوج دیکر شیر خاں کی طرف روانہ کیا کہ قلعہ چنار
سے دست بردار کرے۔ شیر خاں نے۔ میرزا ہندی بیگ کو بہ لطائف الحیل
شیشہ میں اتار لیا اور اُسے ناکامی کے ساتھ آگرہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ ہمایوں
خود قلعہ چنار کی تسخیر کے ارادہ سے اُس طرف متوجہ ہوا۔ شیر خاں کو جب یہ
معلوم ہوا تو اُس نے اپنے لڑکے قطب خاں کو شہنشاہ کی خدمت میں روانہ
کیا اور ایک عرضی جو نہایت لجاجت و سماجت سے مملو اور کلمات عاجزانہ سے
پُر تھی اور جس میں طرفین کے باہمی حقوق کی طرف اشارہ کیا گیا تہا قطب خاں
کی معرفت اولوالعزم شہنشاہ کی خدمت میں پیش کی چونکہ اس وقت ہمایوں
کو احمد آباد کی مہم سر کرنی ازبس ضرور تہی اس لئے وہ قلعہ چنار سے اغماض کر کے
احمد آباد روانہ ہو گیا شیر خاں اپنی خوش قسمتی سے بہت خوش ہوا اور یہ موقع
غنیمت پاکر بہار و بنگالہ کے حکام سے ازسرنو متواتر اور پے در پے لڑائیاں
شروع کر دیں۔ سلطان محمد بنگالی اور اس طرف کے بہت سے سرداروں کو
زخمی کیا اور انہیں تہوڑی تہوڑی شکست دیکر اکثر مشرقی حصے اپنے تصرف
میں لے آیا۔ غرضکہ یہ جب بنگالہ کے مشرقی حصوں کو اپنی فتوحات میں شامل
کر چکا تو اب اسکی حریص نظریں قلعہ رہتاس پر بڑے شوق سے اٹھیں اور
یہاں کی مقناطیسی ہوائیں فطرتاً شیر خاں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں مورخین
کا بیان ہے کہ قلعہ رہتاس رہتک دہلی اور بنگالہ کے کسی تاجدار کے تصرف

میں نہ آیا تھا اور اس کی تسخیر کی طرف کسی کا ارادہ نہ ہوا تھا۔ قلعہ رہتاس کی زرخیز اور حشمت انگیز حالت سنکر شیر خاں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ اس کے فتح کرنے کی تدبیریں سوچتا رہا۔ انجام کار اس نے راجہ ہر کشن کو جو اس فلک رفعت قلعہ کا موروثی حاکم کہا جاتا تھا پیغام دیا کہ آج کل مغلوں نے تمام ہندوستان میں ایک ہلکم مچا رکھا ہے اور میری ملک وسلطنت سے مجھے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر یہ ملک تیموری خاندان کے تصرف میں آگیا تو پھر قلعہ کا آپ کے تصرف میں رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ سخت محال نظر آتا ہے اس وقت میرے خیال میں ایک نئی بات پیدا ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ میں اپنی ناموس اور خزانہ کے تحفظ کے لئے کوئی مامن اور جائے پناہ نہیں رکھتا ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ اگر آپ میری اہل وعیال کو مع اس خزانہ کے جسے میں ہمراہ لیجانا خلاف رائے صواب سمجھتا ہوں قلعہ میں جگہ دیں تو نہایت اطمینان اور خاطر جمعی سے مغلوں کا مقابلہ کروں اور ان کے فتنہ کے ان بھڑکتے ہوئے شعلوں کو جو میری اور آپ کے ملکوں کو چشم زدن میں جلا کر خاک کر دینے والے ہیں آب تلوار سے بجھا دوں اگر میں اس صورت میں فتحیابی کے ساتھ واپس آیا تو مدت العمر آپ کے اس انسانی ہمدردی کا مرہون ومنون رہوں گا اور اگر قضیہ منعکس ہوا تو میری روح کو اس سے بڑھکر اور کوئی خوشی نہیں ہوسکتی کہ میرے اہل وعیال مغلوں کے دست تصرف سے محفوظ رہیں گے اور میری ناموس وننگ آپ کے ظل عطوفت میں محافظت سے رہ سکیں گے۔

راجہ ہر کشن اول اول شیر خاں کی اس التماس کو قبول کرتے ہوئے ہچکچایا لیکن پھر زر ومال کے طمع سے اسے بجز اس کے اور کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا

کہ شیر خاں کی التماس کو بخوشی منظور کرلے۔ اس نے فوراً اجازت دیدی کہ اپنے تمام قبائل اور مال و اسباب کو قلعہ میں بھیجدو اور مطمئن ہو کر اپنے ارادہ کی تکمیل میں کوشش کرو شیر خاں نے جب دیکھا کہ راجہ پر میرا افسوں چل گیا تو اس نے اول بڑی فراخ دستی اور حوصلہ مندی سے راجہ کے تمام کارپردازوں یہاں تک کہ دربانوں تک کے لئے طرح طرح کے بیش قیمت تحفے اور وزنی ہمیانے روانہ کئے اور ظاہر کیا کہ چونکہ مجھے ایک نہایت سخت اور خطرناک مہم کا سر کرنا منظور ہے اور نہیں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے اس لئے آپ لوگوں سے گذارش ہے کہ میری ننگ و ناموس کو میری حیات میں اور نیز مرنے کے بعد اپنا خدام تصور کریں۔ جب شیر خاں اپنے ان تمام منصوبوں میں کامیاب ہو چکا تو ہزار ڈولے مرتب کئے جن کے پردے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز تھے۔ ہر ڈولے میں بے ڈاڑہی موچھہ کے دو دو نوجوان زنانہ لباس سے آراستہ کر کے بٹھائے گئے تھے ان کے علاوہ چند اور ڈولے تھے جن میں مسن اور عمر رسیدہ اشخاص قیمتی زیور اور فاخرہ لباس پہنے ہوئے بیٹھے تھے اور جن کی نسبت یہ مشہور کیا گیا تھا کہ ان میں شیر خاں کی مائیں دادیاں بیویاں وغیرہ خاندانی عورتیں جلوہ آرا ہیں۔ ڈولے کے ہر شخص کے پاؤں تلے نہایت تیز اور آبدار تلواریں رکھدی گئی تہیں اور ہر ڈولے کے دائیں بائیں خدام دوڑ رہے تھے جن کے سروں پر کپڑوں کے بقچے موجود تھے یہ بقچے اگرچہ طامع اور حریص نظروں میں نقد وجنس کی تھیلیاں معلوم ہوتی تہیں لیکن حقیقت میں وہ مصالح جنگ اور آلات حرب سے پُر تھے جب اس طرح تمام ڈولے قلعہ کے دروازہ میں پہنچ چکے تو شیر خاں اپنی ہمراہی میں بہت سے پختہ کار اور کار آزمودہ سوار لیکر عورتوں سے رخصت ہونے کی شہرت دیکر دروازہ پر آکھڑا ہوا۔ ڈولے

قلعہ کا ایک دروازہ طے کر کے جوں ہی دوسرے دروازہ پر پہنچے نوجوان ڈولوں میں سے کود کود کر شمشیر زنی کرنے لگے چشم زدن میں دربانوں کو قتل کر ڈالا اور قلعہ کا دروازہ اپنے تصرف میں لے لیا۔ ادہر شیر خاں اپنی خوش قسمتی پر انتہا سے زیادہ خوش ہوا اور فتح کا نقارہ بجاتا ہوا قلعہ میں داخل ہوا۔ اندر جاتے ہی اس نے لشکر کے سپاہ سالاروں کو حکم دیا کہ قلعہ میں بیرحمی سے قتل عام کا حکم دیدو۔ غافل راجپوتوں کی سراسر گردنیں اڑنے لگیں اور افغانوں کی خونریز تلواروں نے بڑی خونخواری اور سفاکی سے قلعہ کے لاڈوں میں پلے ہوئے بچوں کو خون میں نہلا دیا۔ کوئی تین چار گھنٹہ تک یہ قیامت زا ماتم قلعہ میں برپا رہا اور شیر خاں کی قہر آلود نظریں اس عام قتل و غارت کو پر شوق تمناؤں سے تکتی رہیں۔

راجہ ہرکشن اپنی مآل کار پر آگاہی پاکر بصد خرابی و پریشانی قلعہ سے مفرور ہو گیا اور ایسا پر رفعت اور عظیم الشان قلعہ نہایت آسانی کے ساتھ افاغنہ کے دست تصرف میں آگیا۔ اس قلعہ کی تسخیر کی وجہ سے شیر خاں کو بہت بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اب اُس کی فتوحات نے چاروں طرف ہاتھ پاؤں پھیلائے جس بیجگری اور بہادری سے اس نے آیندہ فتوحات حاصل کی ہیں اُن کے پُر فخر اور قابل قدر واقعات سے اب تک صفحات تاریخ کو زینت ہے جس زمانہ میں ہمایوں شاہ نے اپنی عنان توجہ سندھ کی طرف مائل کی اور شیر خاں اس کا تعاقب کرتا ہوا لاہور تک پہنچا تو اس نے پنجاب کا تمام ملک اپنے تصرف میں لے لیا اور اس سرزمین میں ایک بہت بڑا قلعہ تیار کرا کے خواص خاں اور ہیبت خاں کو یہاں کا جاگیردار مقرر کیا اور خود آگرہ کی تسخیر کے ارادہ سے بڑھا ۹۴۹ھ میں آگرہ پہنچا اور یہاں کے انتظام و بندوبست سے فارغ ہو کر مالوہ اور گوالیار کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا۔

جب گوالیار والوں نے دیکھا کہ شیر شاہ آندھی کی طرح جھپٹا چلا آرہا ہے تو انہوں نے اپنے شہر کی دیوار کے پیچھے پناہ لی لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ شیر شاہ کی خونریز تلوار سے کسی کو پناہ مل سکے اکثر لوگ بیرحمی کے ساتھ قتل کئے گئے اور بہت سے زندہ گرفتار ہوکر آئے گوالیار کے مفتوح ہونے کے بعد شیر شاہ یہاں سے ایک عظیم الشان لشکر لیکر برابر قتل و غارت کرتا ہوا مالوہ میں پہنچا لیکن یہاں قتل عام نہیں ہوا مالوہ والوں کی خوش قسمتی تھی کہ مالوہ کا حاکم ملوخاں نے شیر شاہ کی اطاعت قبول کی اور شہر سے باہر نکلکر استقبال کیا لیکن جب مالوہ شیر شاہ کے تصرف میں آگیا تو ملوخاں نے یہاں سے راہ فرار اختیار کی شیر شاہ نے حاجی خاں کو مالوہ میں چھوڑا اور خود قلعہ رنتھمبور کی طرف متوجہ ہوا۔ ملوخاں کے لئے یہ موقع بہت اچھا تھا فوراً کثیر التعداد سواروں کا ایک گروہ ساتھ لیکر پھر مالوہ میں آیا اور تھوڑی سی جنگ کے بعد حاجی خاں کو شکست دیکر مالوہ پر قبض ہوا۔

شیر شاہ قلعہ رنتھمبور پر پہنچکر سلطان محمود کے ارکان دولت سے گٹھ گیا اور صلح کے ساتھ قلعہ پر متصرف ہوگیا قلعہ میں آیا اور بقاء سے امن و حفاظت کا مستحکم وعدہ کیا یہاں سے آگے بڑھنے کا قصد شیر شاہ نے نہیں کیا اور برجعت قہقری آگرہ واپس آیا۔ اسے آگرہ میں ایک ہی سال گذرا تھا کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ پورن مل راجپوت نے قلعہ رائے سین کے اطراف میں سرکشی و تمردی کا جھنڈا اونچا کیا ہے اور بغاوت کی آگ ہر چہار طرف بھڑکا رکھی ہے شیر شاہ اس وحشت ناک خبر سے نہایت برافروختہ ہوا اور پورن مل کی گوشمالی و تنبیہ کے ارادے سے بڑی اولوالعزمی سے قلعہ رائے سین کی طرف باگ اٹھائی باغی فوج نے جوں ہی خوفناک

کے ساتھ حملہ آور گروہ کو آتے دیکھا تو قلعہ میں محصور ہو گئی اور شیر شاہ نے اپنی
جرار و خونخوار فوج کو قلعہ کی دیواروں کے نیچے ڈالکر چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔
شیر شاہ قلعہ کا کوئی حصہ مسمار کرنے یا اس کے دروازہ کے ڈھانے
کے متعلق جس قدر تدبیریں استعمال میں لایا سب میں ناکامی انتہائی انجام
کار مصلحت وقت اس میں دیکھی گئی کہ راجہ پورن مل سے بقا، امن و حفاظت
کا مستحکم وعدہ کیا جائے اور پیغام صلح دیکر قلعہ کو اس سے لے لیا جائے
چنانچہ ایسا کیا گیا اور جانبین سے عہد و پیمان ہو گئے لیکن شیر شاہ کی جوشیلی
طبیعت اور اس کی اولوالعزمی نے اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیا فضلائے
زمانہ سے اس بارہ میں فتویٰ حاصل کیا اور جبکہ پورن مل باہمی عہد و پیمان
پر مطمئن ہو کر بالکل غافل تھا شیر شاہ ایک عظیم الشان لشکر سے قلعہ
رائے سین پر حملہ آور ہوا۔ پورن مل اگرچہ شیر شاہ کے اس ناگہانی حملہ سے
محض غافل تھا لیکن پھر بھی اس نے اس بے سروسامانی کی حالت میں
چار ہزار بہادر راجپوت اپنے پاس جمع کر لئے اور بہت سے کوہ پیکر
ہاتھی فراہم کر کے آمادہ جنگ ہوا۔
لیکن سب سے پہلے اس نے یہ کارروائی کی کہ اپنے تمام عورتوں بچوں
کو سخت بیرحمی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا اور خیمہ و خرگاہ، مال و
اسباب میں آگ دیکر بہیئت مجموعی اپنے تئیں شیر شاہ کے سر پر پہنچایا اور غل
مچا کر کہا کہ او غدار و بدعہد پٹھانو! تمہاری فریب اور دغا کی سزا تمہیں
ابھی ملی جاتی ہے یہ دیکھکر شیر شاہ کی فوج ہوشیار ہوئی اور سینہ بسینہ جنگ
کرنے کو مستعد ہو گئی پورن مل نے اس معرکہ میں جس شجاعت و بہادری کے
جوہر دکھائے ہیں اور رستمانہ لڑائی کی ہے اس کی چمک تاریخی صفحات

پر اب تک موجود ہے۔
الغرض یہ جنگ کئی روز تک برابر ہوتی رہی اور ہزاروں راجپوت و افغان تلوار کے گہاٹ اُتار دئے گئے شیر شاہ کو متواتر شکستیں ہوئیں اور بہت سے کاری زخم بدن پر آئے لیکن بڑی خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آخرکار شیر شاہ ہی کی فتح رہی پورنل بہت سے راجپوتوں کے ساتھ عین معرکہ میں افغانوں کی تلواروں کا لقمہ ہوگیا اور بقیۃ السیف راجپوت اِدہر اُدہر بہاگ گئے۔ شیر شاہ فتح کے نقارے بجاتا ہوا قلعہ میں داخل ہوا مگر یہاں کچھ زیادہ مال اس کے ہاتھ نہیں لگا کیونکہ پورن مل نے حملہ کرتے وقت قلعہ کے تمام مال واسباب میں آگ لگا دی تھی۔
اس کے بعد پہر شیر شاہ آگرہ میں آیا اور چند روز قیام کرکے مارواڑ کی طرف روانہ ہوا مارواڑ کا راجہ جس کا نام راجہ مالدیو تھا اور پچاس ہزار راجپوت سوار جنکی بے دہڑک شجاعت اور بیباک جرأت کی دہوم ہندوستان میں عام طور پر پہیلی ہوئی تہی اپنے پاس رکہتا تہا۔ کامل ایک مہینے تک اجمیر کی سرحد میں بڑی خونخوار اور خونریز جنگیں ہوتی رہیں طرفین کے بےشمار آدمی تہ تیغ ہوئے اور شیر شاہ کو مالی نقصان بہت کچھ پہنچا لیکن آخر کار اقبال کی یاوری سے وہ سامان پیدا ہوگئے جس کی وجہ سے اُسے مارواڑ کی فتح نصیب ہوئی۔ چونکہ مارواڑ کی سرزمین باجرہ کے علاوہ اور غلہ سے خالی تہی اس لئے وہ مارواڑ کی فتح سے زیادہ خوش نہیں ہوا بلکہ بار بار نہایت تاسف سے کہا کرتا تہا کہ افسوس میں نے باجرہ کی ایک مٹھی کی خاطر ہندوستان کے مفتوحہ ملکوں کو خیرباد کیا۔
مارواڑ کے نسق وانتظام کے بعد اس نے قلعہ چتوڑ پر لشکر کشی کی اور بڑے

تردوات کے بعد باہم مصالحت ہوگئی سکہ اور خطبہ شیرشاہ کے نام برقرار دیا گیا اور راناکو باجگذار تاجدار بنکر رہنا پڑا اسکے بعد وہ قلعہ کالنجر کیطرف بڑہا۔ یہاں کا حکمراں اس کی وہ بدعہدی اور غداری جو راجہ پورن مل اور دیگر افغانوں کے ساتہ ظہور میں آئی تہی سن چکا تہا اس لئے وہ قلعہ میں محصور ہوگیا اور میدان میں کبھی مقابلہ نہیں کیا گو پورے چہہ مہینے تک شیرشاہ محاصرہ کئے رہا لیکن بجز ناکامی کے اور کچہ حاصل نہیں ہوا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ قلعہ کالنجر کے حکمراں نے محاصرہ سے تنگ ہوکر اپنے فوجی افسروں کو جمع کرکے حملہ آور فوج سے مقابلہ کرنے کی بابت مشورہ کیا۔ لوگوں نے رائے دی کہ قلعہ ہی میں رہکر حملہ آور فوج کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ ایسی مختصر بلکہ بے سروسامان فوج میدان میں کچھ کام نہیں دے سکتی اس پر راجہ نے کہا کہ دشمن کی فوجیں قلعہ تک پہونچ گئی ہیں اور عرصہ سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں مجھے خوف ہے کہ کہیں قلعہ کے لوگ مخالف فوج کا غلبہ دیکہکر ہمپر ٹوٹ پڑیں۔ اسلئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ سے باہر نکلکر غنیم سے مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ راجہ کالنجر صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا شیرشاہ نے بہی اپنی فوج کو ذرا پیچہے ہٹالیا۔ اور ایک کہلے میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں شیرشاہ کی فوج نہایت ترتیب سے آگے بڑہی سب سے آگے زرہ پوش کا رسالہ تہا پیچہے سو سو قدم کے فاصلہ پر بہت سے علم تہے اور ہر ہر علم کے پیچہے سوار تہے علموں کے پیچہے خاص شاہی گارد تہا جس کے قلب میں شیرشاہ موجود تہا اور اسکے دونوں پہلوؤں میں بڑے بڑے تجربہ کار اور نامور افسر تہے قلعہ کالنجر کے حکمراں کی فوج گو نہایت مختصر اور بے سازوسامان تہی لیکن اس کے پر زور حملوں

نے ہر شخص میں وہ جوش بھر دیا تھا کہ حملہ آور فوج کی کثرت کا کسی کو کچھ خیال نہ تھا اور ہر ہر متنفس اپنی جان دینے کو فخر سمجھتا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو جانبین کی فوجوں پر سکوت و خاموشی کا سناٹا چھایا رہا۔ مگر آخر کار عام لڑائی شروع ہو گئی۔ شیر شاہ کی فوج اپنے مقابل کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ آور ہوئی کہ راجہ کی فوج کے قدم اکھڑ گئے تاہم وہ بڑی دلیری اور بیباکی کے ساتھ ثابت قدم رہا اور دوبارہ لشکر ترتیب دیکر اور نہایت جوشیلے الفاظ میں ترغیب دلا کر اہل عَلَم پر بڑے جوش سے حملہ کیا اور کچھ ایسی بیجگری سے حملہ کیا کہ طرفۃ العین میں علم برداروں کی صفیں اولٹ دیں مگر آخر میں کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ راجہ کی تمام فوج میں بے ترتیبی اور ابتری پھیل گئی۔ اگرچہ اس نے لشکر کے سنبھالنے میں بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ کوشش کی مگر وہ کسی طرح سنبھل نہ سکا۔ لشکر کی یہ پریشانی اور بد دلی دیکھکر راجہ پھر قلعہ میں محصور ہو گیا۔ اور محاصرین نے قلعہ کے باہر سے آگ کا مینہ برسانا شروع کیا۔

یہ سب کچھ تھا مگر محصورین اپنی مخالف فوج کو برابر جواب دے رہے تھے اور اہل قلعہ کی یہ بے ادبی راجہ کے حوصلہ کو پست نہ کر سکتی تھی شیر شاہ کو امید تھی اور واثق امید تھی کہ صبح و شام میں قلعہ فتح ہوتا ہے۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اب میرے اقبال و خوش قسمتی کا ستارہ حضیض و پستی کی طرف منتقل کر رہا ہے۔ حملہ آور فوج کے پیہم حملوں نے اگرچہ راجہ کے طرفداروں کو یقین دلا دیا تھا کہ اب اُن کے روکنے کی کوشش قریبًا بیکار ہے اور قلعہ کے تجربہ کار افسر جنگی یا مردی سے غنیم کی فوج اب تک قلعہ پر دسترس نہ پا سکتی تھی اب بھی ہمت ہار گئے تھے مگر لے کیا کہنا چاہئے کہ عین وقت پر جیسے زمانہ نگے ہوئے غنیم کی فوج میں ایک ایسی عام پریشانی پھیل گئی جس سے انکی

گئی ہوئی قوت پھر درست ہوگئی اور تمام اہل قلعہ سب طرف سے سمٹ سمٹا کر تازہ دم ہو گئے۔

جب محصورین قلعہ بند ہو گئے تو شیر شاہ اپنے بہت سے نامور اور مشہور افسروں کو ساتھ لئے ہوئے باروت خانہ کی چھت پر کھڑا ہوا آتش فشاں آلات سے محصور افواج کے مقابلہ میں خود تیزی بہ تیزی جواب دے رہا تھا اور اہل قلعہ پر مینہ کی طرح آتش بار گولے برسا رہا تھا ناسازگاری بخت واتفاق سے ایک بڑا گولہ قلعہ کی عظیم الشان دیوار سے ٹکر کھا کر اور لٹا باروت خانہ میں آپڑا اور چند گولوں میں آگ لگاتا ہوا باروت خانہ کے اندر تک پہونچ گیا۔ چشم زدن میں سارا باروت خانہ بھڑک اوٹھا اور شیر شاہ مع چند تجربہ کار افسروں کے آگ کے جانگزا صدمے سے قریب المرگ ہو گیا چونکہ ابھی حیات بے ثبات کا قدرے اثر باقی تھا۔ اس لئے اس نے اس دم واپسیں کو غنیمت جانکر بڑی دلیری اور بچگری کے ساتھ اپنے تئیں لشکر گاہ میں پہونچایا اور تمام فوجی افسروں کو جمع کر کے اپنی اس خبر کے مخفی رکھنے اور قلعہ کی فتح و تسخیر میں بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ کوشش کرنے کی سخت تاکید کی۔

شیر شاہ کی اس آخری تاکید و وصیت نے افسران فوج میں کچھ ایسا جوشیلا اثر پھونکا کہ فوراً سب نے اپنے اپنے فوجی دستوں کو مسلح ہونے کا حکم کیا اور ایک نہایت تیزی کے حملہ کے ساتھ اہل قلعہ پر پل پڑے جو لوگ حلقہ اطاعت میں آنے لگے ان کو امن و اماں ملتا گیا اور قلعہ کے تمام حصوں کو گولوں کے ذریعہ سے آگ برسا کر مسمار کر دیا گیا قلعہ کے ہزاروں عالیشان مکانات برباد کر دیئے گئے اور اوباش و عیار لوگوں کو نہایت

سفا کی و بیرحمی سے قتل کیا گیا۔ بعض افسران قلعہ اگرچہ نہایت دلیری سے
لڑے مگر عاجز ہوکر پناہ میں آتے گئے رفتہ رفتہ وہ نامورا ور اولوالعزم افسر
بھی جوارکان قلعہ سمجھے جاتے تھے شاہی فوج کے مطیع ومنقاد ہو گئے آخرکار
قلعہ فتح ہوا اور فاتح لشکر کا شاندار جھنڈا قلعہ کی اونچے اونچے برجوں پر
لہرانے لگا۔ شیر شاہ جو ابھی تک بستر مرگ پر پڑا ہوا موت کے تلخ گھونٹ
پی رہا تھا جوں ہی یہ خبر اس کے کان تک پہونچی فوراً اسکی روح پرواز
کرگئی اور وہ نہایت ومسرت وخوشی کے ساتھ ربیع الاول کی بارہویں
تاریخ ۹۵۲ سنہ ہجری کو رہگزائے عالم آخرت ہوا۔
شیر شاہ نے ایام خروج اور مشرقی سلطنت کے علاوہ پورے پانچ سال
ہندوستان کی سلطنت کی۔ وہ اپنی تمام قوم میں بلحاظ عقل ودانش
ممتاز اور شجاعت وبہادری میں بے نظیر تھا۔ اُس میں گو بہت سی
برائیاں بھی تھیں۔ مگر سینکڑوں وہ خوبیاں جن سے عام ملک کو
ہمیشہ فائدہ پہونچتا رہا موجود تھیں وہ علم دوست تھا۔ فیاض تھا۔ اسی کے
ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس تھا ہزاروں اہل فن اس کے
خوان کرم سے فیضیاب تھے عام ملک پر شاید اس کا مرنا اتنا گراں نہ گزرا
ہو مگر جن لوگوں نے اس کے اوج وحشم ناز ونعمت شان وشوکت کا دلفریب
تماشا دیکھا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے تو زمین وآسمان میں سناٹا ہو گیا ہوگا
اس کی فیاضی کا یہ ایک ادنےٰ ثبوت ہے کہ اپنے انتقال کے بعد بہت سے
وہ آثار خیر چھوڑ گیا جو مدتوں تک ہندوستان میں قائم ودائم رہے۔ مورخین
کا بیان ہے کہ اس نے بنگالہ سے لیکر اکبرآباد ورماندو اور سنیت
تک مسافروں کی رہائش وآرام کے لئے بے شمار مسجدیں اور مستحکم پختہ

کنوئیں بنوائے مساجد میں موذن اور جاروب کش تعینات کئے اوران کے معقول
وظیفے شاہی خزانے سے مقرر کئے شہروں اور بستیوں میں جابجا سرائیں تعمیر کرائیں
اور ہندو مسلمان مسافروں کے لئے کچا اور پکا کہانا ہر وقت تیار رہنے کا حکم
دیا کہتے ہیں کہ ڈاک کا سلسلہ اسی کے زمانہ میں ایجاد ہوا ہے اپنے مسافروں
کی آسایش کے لئے تمام آباد راہوں میں پہل دار درخت لگائے سایہ دار بیلیں جابجا
چڑہائیں خطرناک موقعوں پر چوکیاں قائم کیں۔ غرضکہ ہندی مورخوں نے
شیرشاہ کی سخاوت و دریا دلی کا ذکر بڑے فخر اور جوش کے ساتہہ کیا ہے
اور چونکہ اس کے اصلی و عملی کارنامے اس قسم کے حیرت انگیز فیاضیوں
سے معمور ہیں اسلئے انہیں ایشیائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں پڑی ان
صفات کے متعلق جسقدر مبالغہ کیا جا سکتا ہے۔ خوش قسمتی سے وہ سب
شیرشاہ کے اصلی واقعات ہیں۔ اگر ہم کو اپنے معزز ناظرین سے یہ خوف
نہ ہوتا کہ وہ خارج از بحث کا الزام دینگے۔ تو یہاں اس فیاض اور شجاعت
پناہ بادشاہ کے چند کارنامے نموتہ ذکر کرتے۔ لیکن ہر موقع و ہر نکتہ مقامے
دارد۔ اسی لحاظ سے ہم تاریخ افاغنہ علیحدہ تیار کر رہے ہیں۔ شیرشاہ کی تاریخ وفات۔
(ز آتش مرد) سے نکلتی ہے۔ شیرشاہ کے انتقال کے وقت اوسکا بڑا فرزند
عادل خاں جو ولیعہدی کے عزز منصب سے ممتاز ہو چکا تہا اس موقع پر
موجود نہ تہا امرائے شاہی نے بلحاظ فساد اہل عناد اسکے چہوٹے بہائی
جلال خاں کو جو پٹنہ کے نزدیک کسی موضع میں قیام پذیر تہا طلب کیا
اور وہ یلغار کرتا ہوا فوراً آموجود ہوا۔ افسران فوج
اور امرائے دربار نے اوسے تخت حکومت پر بٹہایا
اور اسلام شاہ کے خطاب سے پکارا

مگر تھوڑے ہی دنوں میں افغانیوں کی زبان میں کثرت استعمال کی وجہ سے سلیم شاہ کے ساتھ مشہور ہوا۔ اسلام شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے بڑے بھائی عادل خاں کو ایک عریضہ لکھا جو تعزیت اور اظہار معذرت پر شامل تھا اوس میں یہ بھی تحریر تھا کہ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد اگرچہ تخت و تاج کے مورث اعلیٰ آپ ہیں۔ اور سلطنت کا کلی استحقاق آپکی طرف رجوع کرتا ہے۔ لیکن امرائے دربار کی مصلحت سے عارضی طور پر میں تخت نشین ہوگیا ہوں ہر چند کہ مینے اس بارگراں کے اٹھانے سے سخت انکار کیا۔ لیکن مجبوری قبول کرنا پڑا اب آپ یہاں تشریف لائیں اور اس بارگراں سے مجھے سبکدوش کریں میں آپ کا اب بھی ویسا ہی خیرخواہ اور مطیع فرمان ہوں جیسے پہلے تھا۔ اس خط کے روانہ کرنے کے بعد اسلام شاہ متوجہ آگرہ ہوا۔ اور یہاں پہونچکر ایک اور خط عادل خاں کے پاس لکھا جسکا مضمون یہ تہا کہ میں حضور کے مقدم شریف کا سخت منتظر ہوں۔ برائے خدا آپ جلد تشریف لائیں اور سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں۔

جب یہ دو متواتر خط عادل خاں کے پاس پہونچے تو اُسنے قطب خاں اور عیسیٰ خاں کو جو امرائے دربار میں بڑے ممتاز اور معتمد شخص تھے۔ اور عادل خاں کے ہوا خواہوں میں شمار کئے جاتے تھے خط لکھا کہ تم لوگ میرے آنے میں کیا مشورہ دیتے ہوا ور ساتھ ہی ایک خط اسلام شاہ کو تحریر کیا کہ اگر تمہارے تین چار معتمد علیہ امرا میری تسلی کر دیں تو میرے دل کے وسواس رفع ہو جائیں اور میں اُن کے ساتھ آگرہ چلا آؤں۔ جوں ہی اسلام شاہ کے پاس اس مضمون کا خط پہونچا اوس نے فوراً دربار کے چار معتمد امراء کو عادل خاں کی طرف روانہ کیا۔ وہ لوگ عادل خاں کے پاس پہونچے تو اوسکی بہت کچھ تسلی کی

اور اس امر پر عہد وپیماں کیا کہ ملاقات کے دوسرے ہی روز ہم اسلام شاہ کو اوس جاگیر کے عطا کرنے پر ضرور مجبور کرینگے جسکے آپ خواہاں ہونگے چنانچہ عادل خاں باطمینان تمام اپنی ہمراہیوں کے ساتھ متوجہ آگرہ ہوا سلیم شاہ نے اسکے آنے کی خبر سنی تو شاہی تزک واحتشام کے ساتھ آگرہ سے نکلکر اس طرف متوجہ ہوا جسطرف سے عادل خاں آنے والا تھا عین راہ میں دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کی اور سلیم شاہ نے اظہار تپاک واتحاد میں بڑی سرگرمی دکھلائی۔ اول نہایت لجاجت آمیز فقروں میں عذر معذرت کی اور پھر آگرہ میں داخل ہونے کی تکلیف دہی کا اظہار کیا۔ عادل خاں بے پس وپیش اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے داخل آگرہ ہوا۔

قلعہ آگرہ میں داخل ہونے کا جو دن مقرر کیا گیا تھا اوس میں اسلام شاہ کی طرف سے خاص طور پر اسباب کا انتظام کیا گیا تھا۔ کہ عادل خاں کے ہمراہیوں میں سے چار آدمیوں سے زیادہ اُسکے ساتھ نہوں۔ لیکن جب عادل خاں نے قلعہ میں قدم رکھا تو اسکے تمام ہمراہی امرا اور فوجی افسر بزور وجبر ایک بڑی جماعت کے ساتھ اسکے پہلو بہ پہلو داخل قلعہ ہوئے اسلام شاہ نے جب دیکھا کہ میرا افسوں کارگر نہیں ہوا اور تمام کوششیں رائگاں گئیں تو اوس نے عادل خاں کے رفع ظن کے لئے ایک اور چال چلی یعنی اظہار تملق اور چاپلوسی کے بعد عادل خاں کے سامنے ہاتھ باندہ کر عرض کیا کہ سلطنت کا وہ بار جو امرائے دولت نے بجبر میرے سر دہر دیا تھا۔ بلحاظ مصلحت خاص اسوقت تک میں اُسکا متحمل رہا۔ اور قوم افاغنہ کو آجتک میں نے اپنا مطیع کر کے رکھا اب میں اس بار گراں سے سبکدوش ہونا چاہتا اور لشکر وتخت آپکے سپرد کرنا چاہتا ہوں یہ کہکر عادل خاں کا ہاتھ پکڑا اور بزور تخت پر بٹھا دیا۔

عادل خاں اگرچہ ذکی الطبع فصیح۔ خوش تقریر۔ شجاع و دلیر تھا لیکن عیش طلب اور

راحت پسند بہت تہا اور یہی وجہ تہی کہ اسے ملکداری اور حکومت فرمائی سے چنداں دلچسپی نہ تھی وہ فضول خرچ اور اپنی خواہشوں کا مطیع تہا اور عورتیں اسکی مشیر کار تہیں مگر با ایںہمہ دور اندیش محتاط صاحب حزم ضرور تہا اس نے اسلام شاہ کی ان تمام کارروائیوں کا فوراً یہ نتیجہ نکال لیا کہ وہ میرا دشمن ہے اور عین غفلت میں مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اسیوقت تخت سے نیچے اوتر کہڑا ہوا اور اسلام شاہ کو تخت پر بٹہا کر اول آپ سلام و مبارکبادی کی رسم بجالایا پھر اپنے امرا کو اس رسم کی بجا آوری کا حکم کیا امرائے دولت نے عادل خاں کے حکم سے ازسرنو سلطنت کے نثار و ایثار کی شرطیں تکمیل کو پہونچائیں اور اسکی اطاعت کا ربقہ دوبارہ اپنی گردنوں میں ڈالا۔

جب تخت نشینی اور تاجپوشی کی رسم ادا ہو چکی تو عیسیٰ خاں اور خواص خاں نے اسلام شاہ سے عرض کیا کہ عادل خاں کے لئے بیانہ کی جاگیر نامزد کر کے اسے رخصت کر دیا جائے چنانچہ اسلام شاہ نے غازی خاں کو جو ایک بڑا نامور اور مشہور سپہ سالار تہا زنجیر طلائی دیکر عادل خاں کے گرفتار کرنے کو روانہ کیا۔ عادل خاں کو اس کامیابی کے بعد اسلام شاہ سے کچھ بحث ہی نہیں رہی تہی۔ اور وہ اپنی قدیم بیہودہ عیش پسندیوں میں شب و روز مصروف مسخرے اور ارباب نشاط اوسکی مجلس میں جمع تہے اور انکی معقول تنخواہیں جاگیر سے مقرر تہیں۔ ان صحبتوں نے اوسے اسلام شاہ کا خیال ہی دل سے بہلا دیا تہا۔ لیکن خواص خاں جو عادلخاں کی کامیابی کا اصلی باعث تہا اور ان ہی کارروائیوں کے صلہ میں ایک ممتاز و معزز منصب پر مقرر ہوا تہا۔ اسلام شاہ کی طرف سے مطمئن نہ تہا اُسنے یہ خبر سنکر غازی خاں کو گرفتار کر لیا۔ اور وہی طلائی زنجیر اسکے پاؤں میں ڈالکر اسلام شاہ کے حضور میں روانہ کیا۔

جانبین کی یہ کارروائیاں گویا دیباچہ جنگ تہیں۔ اسلام شاہ تو بہانہ ڈہونڈتا
تہا خواص خاں کی یہ گستاخی اشتہار جنگ کے لئے اور بہی محرک ہوئی۔ اوس نے
فوراً فوج کی تیاری کا حکم دیا اور ایک بڑے نامی سپہ سالار کی سرکردگی میں عادل خاں
کے مقابلہ میں بڑی جرار فوج روانہ کی اور عقب سے خود بہی کثیر جماعت کے ساتھ متوجہ بیانہ
ہوا۔ راستہ میں جو لوگ ملتے تہے متفق اللفظ بیان کرتے تہے کہ عادل خاں بیانہ
میں بڑی تیاری کر رہا ہے۔ مگر اسلام شاہ کثرت فوج پر اسقدر مغرور تہا کہ اوسکو
مطلق پروانہ تھی وہ برابر بڑہتا ہوا بیانہ کی حد تک پہونچ گیا اور وہاں ایک کہلے
میدان میں بڑے گہمسان کی لڑائی ہوئی اور ایک مدت تک کبہی لڑائی اور کبہی
صلح کا رنگ جمتا رہا۔ عادل خاں اگرچہ پیہم اور متواتر شکستوں کی تاب نہ لاکر
پٹنہ کی طرف چلا گیا۔ اور ایک عرصہ تک بالکل مفقود الاثر رہا۔ لیکن اس کے
امرائے دولت او ہوا خواہ افسر زمانہ دراز تک اسلام شاہ سے لڑتے رہے۔

ان لڑائیوں کی تفصیل اگرچہ بہت طول وطویل ہے۔ لیکن مجمل ومختصر یہ
ہے کہ جب خواص خاں امرا کی ایک کثیر جماعت اپنے ہمراہ لیکر پنجاب میں پہونچا تو
وہاں کے بہت سے لوگوں سے سازش پیدا کر کے علم بغاوت اونچا کیا
اسلام شاہ دہلی میں آیا اور ہمایوں بادشاہ کے تعمیر کردہ قلعہ کو از سرنو چونے
اور پتہر سے مضبوط کر کے متوجہ لاہور ہوا۔ خواص خاں۔ اعظم ہمایوں اور ایک
بڑے خونخوار لشکر کو ساتہ لیکر اسلام شاہ کی طرف بڑہا اور لاہور کے وسیع جنگل میں
دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں خواص خاں کی فوج اگرچہ اسلام شاہ کے لشکر سے
المضاعف تہی مگر آخر کار اوسکی فوج میں کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ابتر
ہوگئی اور وہ مقابلہ سے پیشتر شکست کہا کر بہاگا۔ نوم نیازیاں جو ہنوز میدان
جنگ میں ثابت قدم تہے مرکت ندبوحی کے بعد شکست پاکر متفرق ہوگئے

اور اسلام شاہ فتح قطعی حاصل کرکے اپنے دارالخلافہ کی طرف لوٹ آیا۔ اعظم
ہمایوں جو اپنی قوم میں ایک اولوالعزم اور سربرآوردہ شخص تھا اپنے لشکر کے
صرف دس تجربہ کار افسر ساتھ لیکر صلح و ملازمت کی شہرت کے ذریعہ سے
دارالخلافہ آگرہ کی طرف بڑھا۔ اسلام شاہ سے ملاقات ہوئی تو اُس نے
پہلی ہی ملاقات میں اس کا کام تمام کرڈالنے کی غرض سے ایک حربہ مارا
مگر اسے اسلام شاہ کی خوش قسمتی کہنا چاہیے کہ دشمن کا ہاتھ اوچھا پڑا اور
وہ خود زخم کاری کھاکر بھاگا۔ اس پر اسلام شاہ جوش غضب سے بھڑک
اٹھا اور نیازیوں کے تعاقب میں ایک بڑا جرار لشکر متعین کیا اور بعد قتل
وقید دشمنوں کے اکبرآباد میں واپس آیا پھر وہاں سے گوالیار میں نزول
اجلال فرمایا۔

اس فتح نے دور دور تک اسلام شاہ کا سکہ بٹھا دیا۔ پنجاب کے
تمام علاقے اس کے قبضہ میں آگئے اور ہر چہار طرف اوس کی فتح کے
جھنڈے گڑ گئے۔ اعظم ہمایوں۔ اور عیسے خاں وغیرہ نے جو عادل خاں
کے جان نثار قدیم تھے اگرچہ بار بار شکستیں کھائیں۔ لیکن تاہم شکستیں
ان کے حوصلے پست نہ کرسکیں اور وہ برابر فوج کی فراہمی اور لشکر کی
تیاری میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتے رہے ایک
دن کا ذکر ہے کہ گوالیار میں اسلام شاہ دربار کررہا تھا۔ عین اِس
موقع پر ایک شخص عثمان نامی نے شجاع خاں کے سر پر تلوار ماری جو
دربار کا ایک نامی گرامی اور مشہور امیر تھا۔ چونکہ تلوار اچٹتی ہوئی
لگی تھی اس لئے شجاع خاں کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہونچا۔ عثمان تو
اپنی جان کے خوف سے فوراً بھاگ گیا مگر شجاع خاں بایں خیال کہ یہ

کارروائی اسلام شاہ کے اشارہ سے ظہور میں آئی ہے۔ گوالیار سے نکلکر مالوہ میں پہونچا۔ اور اعظم ہمایوں کے ساتھ سازش کرکے اسلام شاہ کے مقابلہ میں ایک بڑی فوج تیار کی اسلام شاہ کو معلوم ہوا تواس نے ایک عظیم الشان لشکر آراستہ کیا جو تعداد میں کم وبیش تیس ہزار تہا اس لشکر کے سپہ سالار وہ لوگ مقرر کئے جو دولت افغانیہ کے مشہور اور نامور افسر تہے۔ اعظم ہمایوں۔ اور شجاع خاں ان بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کرسکتے تہے اور اسبات کو خوب سمجھ گئے تہے کہ اب تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا جائیگا تو بہتر ہوگا مگر چونکہ اسلام شاہ اب ان کے فریبوں سے خوب واقف ہوگیا تہا اس لئے ان کی تمام تدبیریں بے سود ثابت ہوئیں۔ انجام کار عیسےٰ خاں اور اعظم ہمایوں بیس ہزار خونخوار سواروں کے ساتھ آگے بڑہے اور نہایت سخت معرکہ ہوا محاصرہ ومحاربہ کے بعد اعظم ہمایوں کی فوج نے شکست کہائی۔ مگر وہ خود چند جان نثاروں کے ساتھ میدان جنگ میں کہڑا رہا۔ اگرچہ فتح سے مایوس ہوچکا تہا مگر پہر بھی دشمنوں کو کلہ بکلہ جواب دینے میں کسی طرح کی کمی نہ کرتا تہا۔ انجام کار وہ خود اور اس کے جان نثار سوار گہوڑوں سے اوتر پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔ اعظم ہمایوں نے اسلام شاہ کے بہت سے آدمی ضائع کئے اور جب وہ تہک کر چور ہوگیا تو اپنے ہمراہیوں سمیت پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ اسلام شاہ کی فوج نے ہزیمتیوں کا تعاقب کیا اور اعظم ہمایوں کی اہل وعیال گرفتار ہوکر بادشاہ کے حضور میں پیش کی گئی۔

ان فتوحات نے اسلام شاہ کی امیدیں وسیع کردیں اور اوس نے

اپنے درباریوں کو ان کے کارنمایاں کے صلے میں بڑے بڑے منصب عنایت کئے۔ قوم نیازیاں شکست کھاکر جب پنجاب میں آئے تو انہوں نے اپنے تئیں کھکڑوں کی پناہ میں دیدیا اور یہ لوگ ان کی پشت و پناہ بنکر اسلام شاہ کے مقابلہ کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ اسلام شاہ یہ سُنکر اس طرف متوجہ ہوا اور کھکروں اور نیازیوں کے ساتھ پورے دو سال تک لڑتا رہا۔ کھکروں نے اگرچہ اسلام شاہ کے مقابلہ کے لئے بہت کچھ تیاریاں کیں۔ مگر اسلام شاہ کا رعب کچھ ایسا چھا گیا تہا کہ نیازیوں نے یہاں بہی شکست پائی اور حاکم کشمیر کے ملک میں جا پناہ لی۔ اعظم ہمایوں اور سعید خاں اور شہباز خاں قتل کئے گئے اور حاکم کشمیر نے ان کے سر اسلام شاہ کے پاس بہیجدیئے۔

اسلام شاہ اپنے دشمنوں کے قلع قمع کے بعد دار الخلافہ آگرہ میں واپس آیا اب اس کی ان فتوحات کی شہرت عام ہوگئی اور تمام ملک میں اقتدار بڑہ گیا۔ اس زمانہ میں میرزا کامراں جو ہمایوں بادشاہ کے ہندوستان میں مراجعت کرنے کے بعد ایران سے کابل تک شکستیں کھاکر بہاگتا چلا گیا تہا سلیم شاہ کے پاس آکر خواستگار پناہ ہوا۔ لیکن بجز آبروریزی اور خفت کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اور آخر کار چند روز کے بعد فرار ہوگیا۔ اس کے چند روز بعد سلیم شاہ دہلی میں جلوہ فرما ہوا اور چونکہ اس زمانہ میں سلیم شاہ کی کوشش اکثر امرا کے قتل و قید کی طرف بڑی سرگرمی کے ساتھ مصروف تہی اس لئے خواص خاں متوہم ہوکر تاج خاں حاکم سنبہل کی پناہ میں چلا گیا۔ مگر اوس نے عذر و بیوفائی کو کام میں لاکر خواص خاں کو قتل کرادیا۔ اور اس کا سر سلیم شاہ کے پاس بہیجدیا خواص خاں کے

اقربانے اس کی لاش دہلی میں لاکر دفن کی اور ایک نہایت پختہ و سنگین گنبد
اوسکی قبر پر بنایا۔ جسکے کچھ نشان اب تک پرانی دلّی میں پائے جاتے ہیں۔
خواص خاں کے قتل کے بعد سلیم شاہ کو زیادہ عرصہ تک زندہ رہنا
نصیب نہ ہوا۔ اس کی مقعد میں بہت سے موذی دنبل برآمد ہوئے اور
اس کے علاوہ دیگر امراض بدنی نے اُسے چند ہی روز میں تحلیل کردیا۔ چنانچہ
انہیں عوارض میں مبتلا ہوکر عین عالم شباب میں مرگیا۔ اس نے کل نو سال
سلطنت کی اور باپ کی طرح بہت سے کنوئیں اور سرائیں مسافروں کی
آسائش کے لئے بنوائیں اور عین حالت کامرانی میں انتقال کرگیا۔ شعر

دریں زمانہ بہار و خزاں ہم آغوش ست
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست

بی بی بائی۔ سلیم شاہ کی منکوحہ تھی اس کے لبطن سے صرف ایک لڑکا
فیروز خاں نام پیدا ہوا تھا۔ مبارز خاں جو شیر شاہ کا بھتیجا اور بی بی بائی
کا حقیقی بھائی تھا۔ سلیم شاہ کی زندگی میں ہی سلطنت کا دعویدار تھا اور
اپنے ہی تئیں تخت و تاج کا وارث سمجھتا تھا۔ سلیم شاہ چونکہ اس کی وضع
سے واقف تھا اس لئے وہ بارہا بی بی بائی سے کہا کرتا تھا کہ اگر تو
اپنے فرزند کو عزیز رکھتی ہے اور اس کی زندگی و سلطنت کی خواہاں
ہے تو مجھے اجازت دے کہ تیرے بھائی کا کام تمام کرکے اس جھگڑے
کو پاک صاف کردوں کیونکہ مجھے اس کی وضع سے معلوم ہوتا ہے کہ
میرے بعد تیرے فرزند کو قتل کرکے خود مالک تخت و تاج بن بیٹھے گا
اور عجب نہیں کہ تجھے بھی تکلیف و صدمہ پہونچائے ہاں اگر تجھے بھائی کی
محبت فرزند سے زیادہ ہے تو میں مجبور ہوں۔ سلیم شاہ ہرچند کہ اس قسم

کی بہت سی باتیں خلوت وجلوت میں بی بی بائی کو سمجھاتا تھا مگر وہ اپنے بھائی کو اس بدگمانی سے بری جانکر راضی نہوتی تھی۔

سلیم شاہ کی وفات کے بعد امرائے دولت نے فیروزخاں کو اُس کے ولیعہد ہونے کی وجہ سے تخت نشین کیا مبارزخاں کو اُس کی تخت نشینی نہایت ناگوار گذری اور وہ دوسرے ہی روز بڑے غیظ وغضب کے ساتھ اپنے بھائیوں کو ساتھ لیکر فیروزخاں کے قتل کر ڈالنے کی غرض سے زنانہ محل میں گھس گیا بی بی بائی کو اس قیامت زا واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بھائی کے قدموں پر گر پڑی اور نہایت الحاح وزاری سے التجا کی کہ فیروز کو جان سے مت مار۔ اگر تجھے ملک داری کی ہوس ہے تو شوق سے تخت وتاج اپنے قبضہ میں کرلے۔ فیروز اور اس کے ساتھ میں اس دعوے سے درگذرتی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ وہ کبھی تیری اس خواہش کی مزاحمت نہ کریگا تو مجھے اور اُسے چھوڑ دے تاکہ ہم دونوں یہاں سے جلاوطن ہو جائیں اور پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کریں اور اگر یہ بات تجھے منظور نہیں تو ہم دونوں کو قید کرکے رکھ اور مظلوم فیروز کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کر۔ یہ کہکر بی بی بائی اس قدر زار وقطار روئی کہ اپنے آنسوؤں سے مبارزخاں کے دامنوں کو بھگو دیا مگر وہ ظالم اس درجہ سنگدل اور مغلوب الغضب تھا کہ بی بی بائی کی ان جگر سوز باتوں سے ذرا بھی نرم نہیں ہوا۔ شعر

نفس در آئینہ آہنی کند تاثیر — سخن نمے شنوی ظالم این چہ سنگ دلیست

جفاکیش اور سنگدل مبارزخاں اپنی بہن کے سر کو قدموں سے ٹھکراتا ہوا فیروزخاں کے پاس پہونچا اور اس معصوم اور بے گناہ بچے کو آب شمشیر سے نہلا کر تخت دہلی پر متمکن ہوا اور اپنے لئے محمد شاہ عادل کا خطاب اختیار کیا۔

شمرو کی بیگم

شمرو کی بیگم کی سوانح عمری سمجھنے کے واسطے شمرو کے حالات سے واقفیت پیدا کرنی ضرور ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر شمرو کی بیگم کا حال سمجھ میں نہیں آسکتا۔

شمرو کا اصل نام والٹراین ہارڈ تھا۔ یہ شخص فرانس کا رہنے والا تھا جس زمانے میں انگریز اور فرانسیسی ہندوستان کی سلطنت حاصل کرنے کے واسطے آپس میں لڑ رہے تھے، اُسی زمانے میں شمرو فرانسیسی فوج میں بطور ایک معمولی سپاہی کے بھرتی ہو کر ہندوستان آیا تھا۔ جب لارڈ کلایو نے ۱۷۵۷ء میں انگریزوں کی طرف سے فرانسیسیوں کو کامل شکست دی اور ان کی فوجیں تتر بتر ہوگئیں، تو شمرو نے مع اپنے چند ہمراہیوں کے مرشد آباد میں جا کر میر قاسم صوبہ دار بہار کی فوج میں نوکری کر لی۔ اور جب انگریزوں نے میر قاسم کو بھی شکست دی تو شمرو نے وہاں سے بھاگ کر بھرت پور کی ریاست میں پناہ لی یہ ریاست اس زمانے میں انگریزوں کے اثر سے باہر تھی۔ یہاں شمرو نے اپنے پاس سے ایک فوج بھرتی کی جو کرائے پر لڑا کرتی تھی یعنی جس نواب یا راجہ کو ضرورت ہوتی وہ اجرت دیکر اُس کو اپنے غنیم سے لڑنے کے واسطے بھیجتا جب شمرو ۱۷۶۴ء میں راجہ بھرت پور کی طرف سے دہلی کے محاصرے میں مصروف تھا تو اُس کو کسی طرح ایک مسلمان لڑکی کا حال معلوم ہوا جس سے اُس نے شادی کر لی۔ اس زمانے میں بلکہ غدر تک یورپینوں اور ہندوستانیوں میں باہم ایسی مغائرت نہیں تھی جیسی آج کل ہے۔ اکثر یورپین ہندوستانی عورتوں سے شادی کر لیتے تھے اور اُن سے جو اولاد ہوتی تھی اُسکو ہندوستانیوں

ہیں انہیں کے رسم و رواج کے موافق بیاہ کے تھے۔

۱۷۸۰ء میں شاہ عالم بادشاہ دہلی نے نجیب الدولہ نواب سہارنپور کے لڑکے نواب ضابطہ خاں کو وزارت سے معزول کر کے قلمدان وزارت نواب نجف خاں کے سپرد کیا ضابطہ خاں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا اور اسمیں اپنی حقارت سمجھ کر بادشاہ سے علانیہ بغاوت اختیار کی۔ اور کوہ شوالک میں جاکر قلعہ غوث گڑھ کے اندر پناہ گزیں ہوا۔ نجف خاں نے جو شمرو کی فوج کا حال سن چکا تہا فوراً اس کو طلب کر کے باغی نواب کو مغلوب کرنے کے واسطے بہیجا۔ شمرو نے جاکر قلعہ کا محاصرہ کر لیا ضابطہ خاں نے بہی بہت دلیری سے مقابلہ کیا مگر آخر کار تاب مقاومت نہ لاسکا اور مع چند رفقا کے دریائے گنگ کو عبور کر کے ملک اودھ میں بہاگ کر پناہ لی۔ اُسکے اہل و عیال اور خزانہ جو پتر گڑھ میں تھا وہ شمرو کے ہات لگا۔ اسوقت نجف خاں نے بادشاہ کو صلاح دی کہ شمرو کی فوج کو مستقل طور سے نوکر رکھ لینا چاہئے بادشاہ نے یہ صلاح منظور کر لی۔ اور نواب مذکور کی ریاست کے متصل ایک وسیع زرخیز جاگیر چھ لاکھ روپئے سالانہ کی فوج کے گزارے کے واسطے شمرو کو عطا کی۔ یہ جاگیر طول میں مظفرنگر کے آگے سے علی گڑھ کے قریب تک اور عرض میں گنگا سے جمنا تک پہیلی ہوئی تھی۔ شمرو نے جاگیر کے وسط میں سردھنہ کو جو اُس زمانے میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور اب اوسط درجہ کا قصبہ ہے اپنی سکونت کے واسطے پسند کیا اور وہیں فوج کی چھاونی بنائی اس کے بعد شمرو نے بادشاہ کی طرف سے اور کئی لڑائیاں لڑیں۔ نجف خاں نے اس کو آگرہ کی حفاظت کے واسطے وہاں کا حاکم مقرر کر کے مرہٹوں کے مقابلہ میں بہیجا۔ اس خدمت کو اُس نے بہت جانفشانی اور خوش انتظامی

سے انجام دیا۔ ہنوز اسی خدمت پر مامور تہا کہ ۲۰۔مئی ۱۷۷۸ء کو انتقال کیا اور آگرہ کے کیتھولک قبرستان میں مدفون ہوا۔ کیونکہ وہ رومن کیتھولک مذہب رکہتا تہا۔ آگرہ میں اس کا مقبرہ اب تک اچہی حالت میں ہے۔

شادی کے بعد شمرو نے جتنی لڑائیاں لڑیں اور جس قدر معرکے اُس کو پیش آئے ان سب میں اس کی بی بی اُس کے ساتھ رہی۔

یہ مشہور عورت لطف علیخاں کی لڑکی تہی۔ اس کا نام زیب النسا تہا۔ لطف علیخاں ایک شریف اور خاندانی آدمی تہا اس کے بزرگ عرب سے آکر موضع کتانہ میں آباد ہوئے تہے جو شہر میرٹھ کے گوشہ شمال و مغرب میں تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

زیب النسا کی ولادت کی صحیح تاریخ تو ملی نہیں مگر تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ۱۷۵۰ء کے قریب پیدا ہوئی تہی۔ چھ برس کی تہی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ سوتیلے بہائی نے اُس کے اور اُس کی ماں کے ساتھ بدسلوکی کا برتاؤ کیا تو وہ اُس کو لیکر دلی چلی گئی۔ اور وہیں سکونت اختیار کر کے بہت اچہی تعلیم و تربیت اس کو دی۔

یہ وہی لڑکی ہے جس سے شمرو نے دہلی میں شادی کی تہی۔

زیب النسا ایک حسین عورت تہی اُس کا قد چھوٹا جسم گداز رنگ اُجلا نقشہ خوبصورت اور اعضا بہت نازک و متناسب تہے فارسی میں فصاحت کے ساتھ تحریر و تقریر کر سکتی تہی۔ شوہر کی وفات کے تین برس بعد ۷۔مئی ۱۷۸۱ء کو عیسائی ہوگئی۔ عیسائی نام جوانا رکہا گیا۔ زیب النسا کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ شمرو کی پہلی بی بی سے جو مسلمان تہی ایک لڑکا ظفریاب خاں تہا جس کی ماں کو جنون ہوگیا تہا۔ یہی وجہ تہی کہ شمرو کی وفات کے بعد

اس کی فوج نے بادشاہ سے درخواست کی کہ شمرو کی جگہ زیب النسا کو فوج
کا افسر مقرر کیا جائے۔ شاہ عالم نے جو زیب النساء کے جوہر ذاتی اور لیاقت
سے بخوبی واقف تھا یہ درخواست منظور کی اور زیب النسا کو فوج کا افسر مقرر
کر کے سردھنہ کی جاگیر اس کو عطا کی۔

اس وقت سے زیب النسا شمرو کی بیگم کے نام سے مشہور ہوئی اور اسکی
شہرت کا زمانہ شروع ہوا سردھنہ اور اس کے گرد و نواح میں اب بھی کہیں
کہیں شمرو کی بیگم کے دیکھنے والے زندہ ہیں۔ عام طور پر اس کو یہاں صرف
بیگم کہتے ہیں۔ میں بھی اس مضمون میں آیندہ اس کے واسطے صرف لفظ بیگم ہی
استعمال کروں گا۔

۱۷۸۷ء میں نواب ضابطہ خاں کے لڑکے غلام قادر نے سلطنت مغلیہ
کی پُر آشوب حالت سے فائدہ اٹھا کر اپنے باپ کا عہدہ امیر الامرائی زبردستی
حاصل کرنے کی غرض سے مع اپنی فوج کے دلی کی طرف کوچ کیا۔ مگر جب اس
ارادے میں کامیابی ہوتی نظر نہ آئی تو علانیہ بغاوت کر کے مرہٹوں کی فوج
کو شکست دی، اور قلعہ پر قبضہ کر کے بادشاہ کو قید کر لیا۔ اس زمانے میں مرہٹے
دلی کے اصلی فرمانروا تھے۔ اور وہاں ان کی طرف سے فوج کا ایک دستہ
رہتا تھا۔ بیگم نے جو اس وقت پانی پت میں سکھوں کے ساتھ جنگ کر رہی
تھی۔ اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی فوراً کوچ کیا اور دلی پہنچکر قلعہ کے
لاہوری دروازے کے سامنے ڈیرے ڈالدیے۔ غلام قادر نے بیگم سے
درخواست کی کہ ہم دونوں سلطنت مغلیہ کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ مگر بیگم نے نہایت
حقارت کے ساتھ اس درخواست کو نامنظور کیا۔ اس پر غلام قادر نے
قلعہ میں بیگم کی فوج پر گولہ باری شروع کر دی۔ بیگم نے بھی اپنا توپخانہ قلعے

کے سامنے جاکر ترکی بترکی جواب دیا - یہاں تک کہ غلام قادر اسکی وفاداری
در استقلال کو دیکھکر قلعہ چھوڑنے پر مجبور ہوا - اور جمنا کو عبور کرکے چلا گیا
بادشاہ نے اسی روز بیگم کو دختر عزیزہ سلطنت مغلیہ کا معزز خطاب عطا فرمایا۔

۱۷۸۸ء میں بادشاہ نے نجف قلی خاں جاگیردار گوکل گڑہ کو جو
ریواڑی کے قریب ہے مطیع کرنیکا قصد کیا - انکی جاگیر کا ایک حصہ کرلیا گیا
تہا اس سبب سے باغی ہوگیا تہا - بادشاہ خود گوکل گڑہ تشریف لے گئے اور
باغیوں کا محاصرہ کرلیا - بیگم بھی مع اپنی فوج کے ہمرکاب تہی - یہ فوج بیگم کے
ایک بہادر آئرش افسر مسٹر جارج ٹومس کے زیر فرمان تھی - ۵- اپریل ۱۷۸۸ء کو
علی الصباح محصورین بڑی دلیری سے شاہی خیمہ گاہ پر آپڑے اور قریب تہا کہ
بادشاہ سلامت مقید ہوجائیں کیونکہ ان کا لشکر اس وقت تیار نہیں تہا
اتنے میں بیگم کو خبر لگی تیر کی طرح موقعہ پر پہنچکر اور اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر
بادشاہ کو دشمنوں کے نرغے میں سے صاف نکال لیا اور بہ حفاظت تمام
اپنے لشکر میں لے آئی - اس وقت جارج ٹومس نے دشمنوں پر آگ برسانی
شروع کردی اور ان کو آگے بڑہنے سے باز رکہا - اسی اثنا میں شاہی لشکر
بھی آگیا اور بڑی زبردست جنگ ہونے لگی - بیگم بھی بادشاہ کو اپنے لشکر
میں پہنچاکر پہر موقعہ جنگ پر پہنچی اور تا اختتام جنگ اپنی پالکی میں وہیں موجود
رہی آخرکار غنیم کو کامل شکست ہوئی اور اسکا قلعہ مفتوح ہوگیا -

مبصرین جنگ کی رائے ہے کہ صرف بیگم کی ہوشیاری اور بہادری نے
بادشاہ کو بچایا ورنہ ان کا بچنا ناممکن تہا - بادشاہ نے دربار عام میں بیگم کے
ان خدمات کی تعریف کی اور اس کا شکریہ ادا کرکے ایک بیش قیمت خلعت اور
پرگنہ بادشاہ پور جو دہلی سے جانب غرب جمنا کے ساحل پر واقع ہے برہی بطور

جاگیر عطا فرمایا۔

بیگم نے بادشاہ سے نجف قلی خاں کی سفارش کرکے اسکا قصور بالکل معاف کرا دیا۔

شمرو کی وفات کے بعد فوج نے چند مرتبہ سرکشی کی اسکی وجہ یہ تھی کہ سب کی تنخواہ بقایا میں پڑی ہوئی تھی اور اعلیٰ عہدوں کے واسطے افسر آپس میں رشک وحسد کرتے تھے اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے تھے اور اپنے حصول مدعا کی غرض سے فوج کو بہکایا کرتے تھے۔ اس حالت میں بیگم کے صلاح کاروں نے اُسکو یہ صلاح دی کہ دوسری شادی کرکے شوہر کی مدد سے فوج کو قابو میں کرنا چاہئے۔ بیگم نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ واقعہ ۱۷۹۲ء کا ہے جارج ٹامس نے جو شروع سے بیگم کی ملازمت میں تھا اور اپنی وجاہت اور بہادری کی وجہ سے بیگم کے مزاج میں بہت دخیل ہوگیا تھا۔ خواہش کی مگر بیگم نے اپنی فوج کے ایک دوسرے فرانسیسی افسر لی ویسو کو پسند کیا۔ جو عالی شان اور تعلیم یافتہ تھا۔ مگر اس وجہ سے ان دونوں افسروں میں عداوت ہوگئی اور سپاہیوں میں بھی ان کی وجہ سے دو گروہ ہوگئے۔ جارج ٹامس نے ملازمت سے استعفا دیدیا۔

۱۷۹۳ء میں بیگم کی شادی لی ویسو سے ہوگئی۔ اس شادی سے فوج کے افسر اور سپاہی بہت ناخوش ہوئے۔ مگر یہ ناخوشی صرف شادی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ لی ویسو کی خوش قسمتی نے اس کے ہم عصر عہدہ داروں کی حسد کی آگ کو بھڑکا دیا تھا۔ لیکن اصلیت کو چھپانے کی غرض سے وہ یہ کہکر اپنی ناخوشی کا اظہار کرتے تھے کہ اس شادی سے ہمارے مرحوم گزشتہ حکمراں کی بے عزتی ہوئی۔ اور سردھنے کی جاگیر ایک غیر شخص کے ہات میں چلی گئی

اس شادی کے بعد جارج ٹامس دلی چلا گیا اور وہاں پہنچکر دلی کے مرہٹہ حاکم آپا کانڈے راؤ کی فوج میں نوکر ہوگیا اور بیگم کی اُس فوج سے سازش کرلی جو بیگم کی طرف سے بادشاہ کی خدمت کے واسطے نواب مظفرالدولہ یعنی بیگم کے سوتیلے بیٹے ظفریاب خاں کے ماتحت دلی میں رہا کرتی تھی دلی میں رہ کر جارج ٹامس نے بیگم کی فوج کے افسر لنگوس سے جو سردھنے میں رہتا تھا اور اس کا دوست تھا خط کتابت شروع کی اور اس کے ذریعہ سے فوج کے اور افسروں کو بھی اپنے رقیب لی ویسو کی طرف سے متنفر کردیا۔ لی ویسو اگرچہ تعلیم یافتہ آدمی تھا۔ مگر کچھ سمجھدار اور ہوشیار نہیں تھا۔ بلکہ مغرور اور خود پسند تھا۔ فوج کے عہدہ داروں سے نفرت اور سپاہیوں سے بدسلوکی کرتا تھا۔ ان وجوہ سے فوج اور بھی اس سے برگشتہ ہوگئی۔ اور آپس میں یہ سازش کی کہ بیگم کو معزول کرکے شمرو کے بیٹے ظفریاب خاں کو حاکم مقرر کرنا چاہیئے۔

بیگم کو اور لی ویسو کو بھی یہ بات معلوم ہوگئی۔ اور ان کو بہت ناگوار گزرا کیونکہ ایک تو جاگیر ہات سے جاتی تھی۔ دوسرے سوتیلے بیٹے کے قبضے میں اس وجہ سے انہوں نے بمصداق اس مثل کے۔ تو کونہ مو کوئے چولہے میں جھونکو یہ تجویز کی کہ جاگیر مرہٹوں کے حوالے کردیں۔ اس اثنا میں لی ویسو نے سرجان شور صاحب کو جو اُسی زمانے میں انگریزوں کی طرف سے گورنر جنرل تھا لکھا کہ چندر نگر تک جانے کے واسطے پروانہ راہداری ملجائے۔ لیکن اس بارے میں ہنوز کوئی تجویز نہیں ہوئی تھی اور تحریر کا جواب بھی نہیں آیا تھا کہ فوج کو کسی طرح اس خط و کتابت کی خبر لگ گئی۔ اور اس نے لنگوس کو اپنا سردار مقرر کرکے بیگم کے معزول کرنیکا اعلان کردیا۔ اور ظفریاب خاں کو دلی سے بلا بھیجا۔

جب بیگم نے یہ حالت دیکھی تو سردھنہ میں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک روز رات کو اکتوبر ۱۷۹۵ء میں مع اپنے شوہر کے بھاگ نکلی۔ مگر ابھی موضع کہروہ تک پہنچی تھی جو سردھنے اور میرٹھ کے رستہ میں سردھنے سے تین میل کے فاصلہ پر ہے کہ اتنے میں پلٹن کے ایک دستے نے جو اس کی تلاش میں تھا اُن کو آگھیرا۔ بیگم پالکی میں تھی اور لی ویسو گھوڑے پر۔ پریشانی اور کش مکش کی حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ طرفین سے فیر ہونے لگے اور کچھ آدمی زخمی بھی ہوئے۔ بیگم نے یہ خیال کر کے کہ اُس کا شوہر مارا گیا اور اس خوف سے کہ مبادا باغی لوگ اس کی بے عزتی کریں خنجر نکال کر اپنے سینہ میں مار لیا۔ نوکر چاکر جو ساتھ تھے واویلا کرنے لگے۔ لی ویسو نے جو وہیں قریب ہی لڑ رہا تھا رونے کی آواز سنکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بیگم نے خنجر مار کر خودکشی کر لی۔ ایک خدمتگار نے پالکی کا پردہ اٹھا کر دکھا دیا۔ لی ویسو نے برقع خون آلودہ اور بیگم کو بیہوش دیکھ کر اپنے حلق میں گولی مار لی اور مر گیا بیگم نے جو سینے میں خنجر مارا تھا۔ اُس کی نوک ہڈی پر رُک کر ایک طرف پھسل گئی تھی۔ زخم کاری نہیں لگا تھا۔ مگر تکلیف اور صدمہ کی وجہ سے بیہوش ہو گئی تھی۔ باغیوں نے لی ویسو کی نعش کی بہت توہین اور تحقیر کی۔ بیگم کو پکڑ کے سردھنہ لے گئے۔ اور وہاں ایک توپ سے اسکو باندھ دیا۔ کئی روز تک اسی طرح بندی رہی آخر کار فوج کے ایک افسر مسٹر سلیر نے اسکو اس بندش سے رہا کروایا اور اسکی کوشش سے بیگم کے زخم کو بھی آرام ہو گیا۔ اس اثنا میں ظفریاب خاں دلی سے آگیا اور فوج نے اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ قید کی حالت میں بیگم کو خط کتابت کرنیکا موقع مل گیا اور اُس نے مہاراجہ سندھیا اور دلی کے مرہٹے حاکم اور جارج ٹامس کو جو اُس حاکم کی ملازمت میں تھا اپنی مصیبت کا حال لکھکر امداد کی درخواست کی اور

میں لارڈ لیک کی ماتحتی میں برابر موجود رہی ۔ سرکار انگریزی نے اس کی قیمتی امداد، عمدہ خدمات، شجاعت اور نمک حلالی کا جو اُس سے اس سخت جنگ میں ظاہر ہوئی تھی بہت شکریہ ادا کیا۔

بیگم نے حکومت کے ابتدائی زمانے میں اپنی فوج کے ساتھ بہت سفر کئے۔ مگر ہندوستانی رسم ورواج اور پردہ کی پابندی اپنے طریق بود و باش میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ کل کاروبار ریاست خود انجام دیتی تھی۔ گاہے گاہے دربار عام بھی کرتی تھی مگر پردے میں بیٹھکر ساتھ ہی اسکے اپنے شوہر کی جاری کی ہوئی رسوم کو بھی جاری رکھا۔ یعنی اپنے خاص خاص یوروپین عہدہ داروں کو وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرتی تھی۔ جب جوانی ختم ہوئی اور پیری نے پردہ کی زیادہ ضرورت باقی نہ رکھی تو اس نے بھی اُس سے ہات اٹھایا۔ دہلی اور سردھنے میں اپنی کوٹھی پر بڑے بڑے انگریز افسروں کی اکثر دعوت کیا کرتی تھی۔ اور خود بھی اعلیٰ حکام انگریزی یعنی گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف وغیرہ کی دعوتیں قبول کرکے انمیں شریک ہوتی تھی۔

بیگم کو خیرات اور تعمیرات کا ازبس شوق تہا۔ چنانچہ بہت سے رفاہ عام کے کام کئے اور کئی عمارتیں خلق خدا کے فائدے کے واسطے بنوائیں۔ میرٹھ کی چھاونی میں جو دو بڑے پل بیگم کے پل کے نام سے مشہور ہیں وہ اسکے بنوائے ہوئے ہیں ایک گرجا انگریزی فوج کے واسطے میرٹھ کی چھاونی میں بنوایا جو ابتک بہت اچھی حالت میں ہے۔ رومن کیتھولک مذہب کے فوجی گورے اس میں نماز پڑہتے ہیں ایک گرجا سردھنے میں تعمیر کروایا۔ اس کے علاوہ بہت سا روپیہ نقد خیراتی کاموں کے واسطے دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱	سردھنے کے گرجا کی مرمت وغیرہ کے واسطے	ایک لاکھ
۲	سردھنے کے رومن کیتھولک عیسائیوں کی تعلیم کیواسطے	ایک لاکھ

۳	۔ سردھنے کے محتاجوں کے واسطے	پچاس ہزار
۴	۔ کلکتہ، بمبی اور مدراس کے کیتھولک مشن کے واسطے	ایک لاکھ
۵	۔ آگرہ کے مشن کے واسطے۔	تیس ہزار
۶	۔ میرٹھ کے گرجا کے واسطے	تیس ہزار
۷	۔ پوپ صاحب روم کو محتاجوں میں تقسیم کرنے کے واسطے۔	بارہ ہزار
۸	۔ آرچ بشپ صاحب کنٹربری کو محتاجوں میں تقسیم کرنے کے واسطے	پچاس ہزار
۹	۔ کلکتے کے محتاجوں کو تقسیم کرنے کے واسطے اور دیوانی کے قیدیوں کو رہا کرنے کے واسطے	پچاس ہزار
	میزان	چھ لاکھ بیالیس ہزار

ان تعمیرات اور نقد خیرات کے علاوہ بیگم نے اپنے واسطے ایک شاندار کوٹھی سردھنے میں اور اس سے کسی قدر چھوٹی کوٹھی دلی میں اور ایک کوٹھی میرٹھ میں بنوائی۔ دلی میں جو کوٹھی ہے وہ شمرو کی بیگم کے باغ کے نام سے مشہور ہے اور عرصے سے دلی لندن بینک کے تصرف میں ہے۔ یہ کوٹھی چاندنی چوک کے مشرقی اختتام پر قلعے کے قریب ہے اور چاندنی چوک کی سڑک پر سے بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

سردھنے والی کوٹھی کو ۱۹۰۸ء میں سرکار نے نیلام کر دیا اور آگرہ کے کیتھولک مشن نے پچیس ہزار روپے میں خرید لیا۔ کہتے ہیں کہ پچیس ہزار کا تو اس میں صرف سامان ہی ہوگا۔ اب اس کوٹھی میں دیسی رومن کیتھولک عیسائیوں کا یتیم خانہ ہے جس میں بہت سے یتیم پرورش پا رہے ہیں۔

ہندوستان کے مشہور گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنگ نے جو بڑے مردم شناس تھے اور لائق آدمیوں کی بہت قدر کرتے تھے ولایت جاتے وقت بیگم کو ایک خط لکھا تھا جس سے اس کی ذاتی شرافت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اس کے حالات معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ لہذا اس خط کا یہاں درج کر دینا مناسب معلوم

ہوتا ہے پیش درج کیا جاتا ہے۔

بنام مہربانی تس بیگم صاحبہ!

میری معزز دوست۔ آپ کی عادات وخصائل کی جو سچی عزت میرے دل میں ہے اسکا اظہار کئے بغیر ہندوستان چھوڑنا کو جی نہیں چاہتا۔

آپ کی نیک مزاجی اور جود و سخا نے جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی آپ کو عزیز رکھتے ہیں آپ کی تعریف کے خیالات میرے دل میں بہت بڑھا دیئے ہیں میں آرزو کرتا ہوں کہ آپ کا وجود جو یتیموں اور بیواؤں کے واسطے باعث تسلی اور آپ کے بیشمار متوسلین کے واسطے ایک یقینی ذریعہ معاش ہے عرصہ دراز تک سلامت رہے۔

میں کل صبح انگلستان جاتا ہوں ہمیشہ آپ کا دعاگو اور بھی خواہ رہوں گا امید ہے کہ وہ سب لوگ جو آپکے ہوا خواہ ہیں باشندگان ہند کے فوائد کیواسطے کوشش کرتے رہیں گے۔!!

آپکا سچا دوست ایم ڈبلیو بنٹنگ

کلکتہ ۱۷۔ مارچ ۱۸۳۵ء

چونکہ یہ مضمون ایک سوانح عمری ہے اور سوانح عمری تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے اور تاریخ لکھنے والے کو یہ مناسب نہیں کہ صرف انہیں واقعات کا ذکر کرے جن سے کسی شخص کی خوبیاں ہی خوبیاں ظاہر ہوں یا محض برائیاں ہی برائیاں۔

پس ایک مشہور واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے بیگم کی سخت گیری اور تنگ مزاجی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے لکھنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ بیگم کی برائی کروں بلکہ ایک سوانح نگار کی حیثیت سے اصلی واقعات کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جس میں سب باتیں اچھی ہوں۔ کوئی برائی نہو۔ اگر کسی میں دس بھلائیاں ہوں اور ایک برائی تو اس کو برا نہیں کہنا چاہئے کیونکہ دس بھلائیوں کے مقابلہ میں ایک برائی قابل لحاظ نہیں۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۷۹۰ء میں کسی نے بیگم کے بنگلے میں جو آگرہ میں تھا آگ لگادی۔ اس آتش زدگی سے کسی کو ضرر جسمانی تو نہیں پہنچا مگر کسی قدر اسباب ضرور جل گیا۔ بیگم اس وقت سندھیا کی فوج کے ساتھ متھرا میں تھی وہاں یہ خبر پہنچی کہ دو عورتوں نے جو اس کی ملازم ہیں آگ لگائی ہے اور ساتھ ہی دونوں عورتیں بھی پیش کی گئیں۔

پہلے تو بیگم نے ان کو درے لگوائے پھر زندہ دفن کروا دیا۔ کہتے ہیں کہ تحقیقات سے ان پر جرم ثابت ہوگیا تھا۔ خیر اگر جرم ثابت بھی ہوگیا ہو تو بھی یہ سزا بہت سخت ہے خصوصاً اسوقت جبکہ کسی کو خفیف سے خفیف بھی جسمانی ضرر نہ پہنچا ہو۔ ضرور بیگم نے اپنے مالی نقصان سے غضبناک ہوکر یہ سخت سزا دی ہوگی۔

جہاں بیگم کی شہرت اور نیک نامی کا جھنڈا عرصہ دراز تک لہراتا رہے گا وہاں اسی پھریرے پر بیگم کی سخت گیری اور تنگ مزاجی کا سیاہ دھبہ بھی دور بینیوں کو بغیر دوربین کے دور سے صاف نظر آتا رہیگا۔

تمام شد

سید ظہور الحسن - قومی پریس دہلی - محلہ نظام الملک متصل جامع مسجد دہلی

تاریخ دربار دہلی ۱۹۱۱ء

چھپکر تیار ہوئی ہے - اسمیں اول سے آخر تک دربار کے تمام حالات چشم دید قلمبند کئے گئے ہیں
اور سات آٹھ نقشے حسب موقع لگائے گئے ہیں - یہ تاریخ قابل دید ہے اسکی مقبولیت اور
شہرت اس سے ثابت ہے کہ علیا حضرت حضور بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے اسکی سرپرستی
فرمائی اور مسودہ طلب فرماکر خود ملاحظہ فرمایا اور اپنے مبارک نام کے ساتھ معنون کرنے کی
اجازت مرحمت فرمائی اور حضور وائسرائے بہادر کی خدمت میں بھی شرف باریابی حاصل کیا
اور ہندستان کے بہت سے والیان ملک نے اسکی قدر کی - اس سے زیادہ تعریف فضول ہے
قیمت فی جلد مجلد طلائی عہ مع محصولڈاک -

اورنگ زیب عالمگیر

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی یہ بالکل جدید تالیف ہے تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید
میں مولانا کا پایہ اظہر من الشمس ہے شہنشاہ عالمگیر پر جو الزامات وارد ہوتے ہیں وہ بھائیوں کا قتل
باپ کی گرفتاری تعصب مذہبی ہندوؤں کے ساتھ مخاصمت بت شکنی وغیرہ کے متعلق جو
اعتراضات کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے - کہ ان اعتراضات کو واقعات سے
کوئی تعلق نہیں - یہ باتیں پست نظر اور تنگ خیال افسانہ نویسوں کی پیدا کی ہوئی ہیں
جو اس صدی کے بہت بعد پیدا ہوئے تھے اور جنکی کتابیں قوم کی بدمذاقی سے تاریخ
کے نام سے مشہور ہوگئیں مولانا نے خود عہد کی مستند تاریخوں سے تمام واقعات کی
تحقیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ مورخین بھی عالمگیر کے دوست نہ تھے مگر واقعات
کو کیونکر چھپا سکتے تھے - اہل یورپ کی غلط فہمیوں پر روایت کی نظر ڈالی ہے اور
ہر واقعہ کی کیفیت فلسفہ تاریخ سے دریافت کی ہے - قیمت ۸؍

الفاروقؓ

مولانا شبلی صاحب کی یہ مشہور کتاب ہے۔ جسمیں حضرت عمر فاروقؓ کے تمام واقعات اور جو کچھ انھوں نے اسلام کی خدمت کی ہے سب مفصل لکھے ہیں قیمت مع محصول ۳ روپیہ

خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام

اس کتاب میں جغرافیہ ملک عرب رسوم وحالات کیفیت اقوام وغیرہ قبل اسلام حالات و مذہب ہنود و بدھ و چین و تاؤ کنفیوشش و یہود و نصارے و زردشت وغیرہ درج ہیں یہ تاریخ دیکھنے کے لایق ہے قیمت عام فائدہ کی غرض سے بہت کم رکھی ہے یعنی صرف .. .. عہ

تاریخ بابل و نینوا

اس شہر کے حیرتناک واقعات انکی تباہی وبربادی کے عبرتناک حالات درج ہیں یہ قدیم تاریخ آجتک نہیں چھپی۔ یہ عجیب و غریب کتاب ہے۔ قیمت ۸ہر

الہارون

یعنی سوانحعمری خلیفہ ہارون الرشید اعظم مع نقشہ ممالک محروسہ عباسیہ دارالخلافہ بغداد قیمت ۸ہر

اقصائے مغرب

جسمیں الجزائر کے تین سو برس کے تاریخی واقعات بربری غارت گروں کی اصلیت خاندان باربروسہ کے تفصیلی کارنامے مع نقشہ جات۔ قیمت ۸ہر

محاربہ مصر و سوڈان

مصر و سوڈان کے واقعات سلطنت ٹرکی اور مصر کے باہمی تعلقات مصر میں انگریزی مداخلت کے اسباب عربی پاشا کی بغاوت انگریزی و مصری فوج کی ناکامیابی وغیرہ قیمت ۸ہر

مثنوی نشتر غم

یعنی سید حسن شاہ اور خانم جان کا وہ دردناک اور سچا تاریخی قصہ جو نشتر ناول سے لیکر گلزار نسیم کی بحر میں ہے بطرز جدید نظم کیا گیا ہے۔ قیمت ۸ر